www.novelsclubb.com
من نو
نور السحر
: novelsclubb
:read with laiba
03257121842

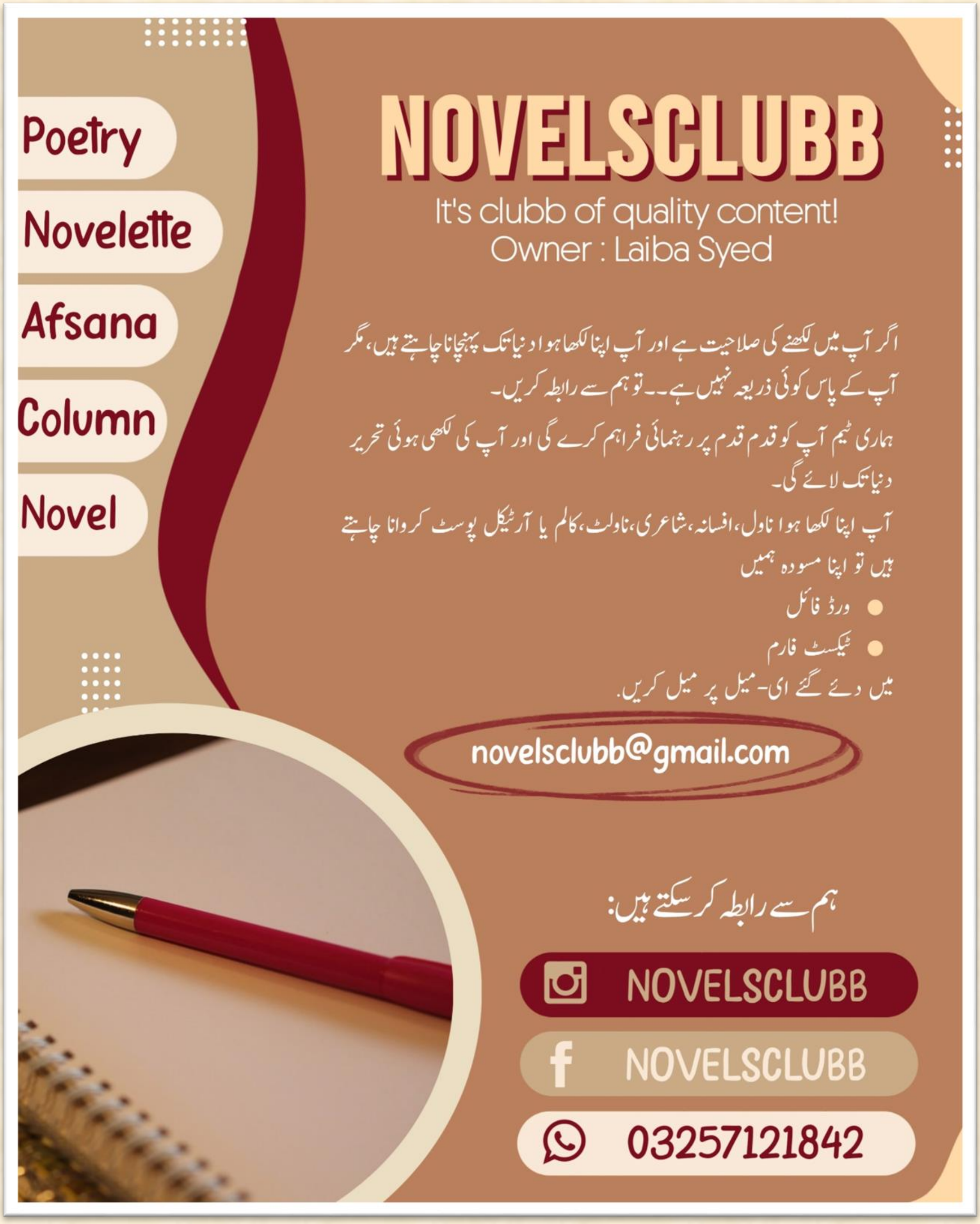
Poetry
Novelette
Afsana
Column
Novel
NOVELSCLUBB
It's clubb of quality content!
Owner : Laiba Syed
اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ اپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں، مگر آپ کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔۔ تو ہم سے رابطہ کریں۔
ہماری ٹیم آپ کو قدم قدم پر رہنمائی فراہم کرے گی اور آپ کی لکھی ہوئی تحریر دنیا تک لائے گی۔
آپ اپنا لکھا ہوا ناول،افسانہ،شاعری،ناولٹ،کالم یا آرٹیکل پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو اپنا مسودہ ہمیں
ورڈ فائل
ٹیکسٹ فارم
میں دئے گئے ای-میل پر میل کریں۔
novelsclubb@gmail.com
ہم سے رابطہ کر سکتے ہیں:
NOVELSCLUBB
NOVELSCLUBB
03257121842

من نو

از قلم

نور السحر

Clubb of Quality Content!

انتساب:

اُن تمام دلوں کے نام... جنہوں نے زندگی کا کوئی ایک پل، یا پھر پوری عمر، کسی حسین فریب

میں گزار دی ہو۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

پیش لفظ:

کیا آپ جانتے ہیں کہ فریب کیا ہے؟

کسی کا دھوکا دینا؟

"نہیں! بلکہ کسی اپنے کا مخلص نہ ہونا، اور آپ کا اس تلخ حقیقت سے بے خبر رہنا۔" یہ ہے اصل فریب۔

یہ کہانی شاید آپ کو حقیقت سے دور لگے، مگر اس کے برعکس، یہی ہماری زندگیوں کا سب سے تلخ سچ ہے۔ ہم میں سے بیشتر لوگ اس فانی دنیا کے مسافروں کو اپنا سچا ہمدرد مان کر، انہیں اپنے جینے کی وجہ سمجھ بیٹھتے ہیں۔

'من نو' یعنی دوبارہ جی اٹھنا۔ یہ میری کہانی کا عنوان ہے کیونکہ افسانوں میں تو کسی لڑکی کی زندگی بدلنے کے لیے کوئی شہزادہ آسکتا ہے، جو اسے دوبارہ جینا سکھادے۔ مگر عملی زندگی میں اگر آپ 'من نو' ہونے کے طلبگار ہیں، تو کسی انسان کا انتظار کرنا فضول ہے۔ کسی بشر کی آس میں کہیں آپ 'من خستہ' یعنی اندر سے بالکل ٹوٹ نہ جائیں۔

ناول کلب
Clubb of Quality Content

پس، بہتر یہی ہے کہ حقیقت پسند بن کر اپنے خالق کو تلاش کریں، اور پھر دیکھیں کہ زندگی کیسے بدلتی ہے۔ اگر یہ کہانی آپ کو حقیقت سے دور معلوم ہو، تو سمجھ لیجئے کہ یہ دنیا آپ کو بھی کسی حسین فریب میں مبتلا کر چکی ہے۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

من نو

داستان

اُن کے من کی

جو بکھر گئے

ہر اک رُت میں !

کسی نے توڑ دیے،

کسی نے جوڑ دیے،

کسی نے مول لیا

اپنا دل،

کسی نے ملال کیا

اپنا کن !

داستان

اُن کے ظرف کی

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

جو بدل گئے

ہر اک رخ سے!

کسی نے توڑ دیا،

کسی نے جوڑ لیا،

کسی نے پالیا

اپنا حق،

کسی نے تھام لیا

اپنا من!

یہ داستان ہے

اُن سب کی،

جو پہلے تھے 'من مست'،

پھر ہوئے 'من مضطر'،

پھر ٹھہرے 'من خستہ'،

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

پھر تھے 'من گرفتہ'،

اور آخر کار ہوئے 'منِ کامل'!

یوں انہوں نے پا ہی لیا

اپنا حقِ حلال،

اور اپنے رب

کی رحمت سے بن گئے:

من نو"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

باب اول

"من مست"

تاریک شب کا سیاہ کفن اوڑھے، لوٹس لیک کے گرد پھیلا جنگل اِس وقت ساکت تھا۔ فضا میں موت کا سا سناٹا تھا اور آسمان پر چھائے سیاہ بادل ہولناک تھے، جن کی وسعتوں نے گویا اُس جنگل کو اپنے حصار میں لے رکھا تھا۔ اِس خوفناک خاموشی میں، گھنے مہیب درختوں کے پار جھاڑیوں سے اَٹے میدان کی نم آلود مٹی پر وہ پڑا تھا۔ نیم مردہ حالت میں خون سے لت پت سسکتا وہ وجود، ساکن نظروں سے چاند گرہن کو تکتے ہوئے اپنے لیے کسی معجزے کا منتظر تھا۔ رگوں سے رستا سرخ گرم لہواب مٹی کی پیاس بجھا رہا تھا، اور جسم برف کی مانند ٹھنڈا ہو رہا تھا۔

آج اُس کے لیے بہت اہم دن تھا۔ ایک ایسا فیصلہ کن دن، جہاں اعترافِ جرم کی تڑپ اور توبہ کی پیاس اُس کی روح کو جھلسا رہی تھی۔ وہ چاہتا تھا کہ سب اُسے معاف کر دیں، اُس کا اللہ اُسے معاف کر دے۔ اُس کے اندر کا انسان توبہ کے لیے چیخ رہا تھا، اُسے اپنے رب کی معافی چاہیے تھی اور اُس کے بندوں کی رضا درکار تھی۔ گناہوں کی رسی اُس کا دم گھوٹ رہی تھی، مگر رب کی

معافی کے لیے بندوں کا معاف کرنا بے حد ضروری ہوتا ہے نا؟ ندامت کے کوڑے اُس کے ضمیر پر برس رہے تھے، وہ اِس اذیت سے نکل جانا چاہتا تھا، مگر اب ایسا ممکن نہ تھا۔ اُس کے اندر سلگتی پچھتاوے کی آگ نے اُس کے ماتھے پر ٹھنڈے پسینے کے قطرے نمودار کر دیے تھے۔ اُسے آج معافی نہیں ملنے والی تھی، اُسے یہ اذیت سہنی تھی، اور آخری حد تک سہنی تھی۔

آخر وہ کیسے بھول گیا تھا کہ خدا تبھی معاف کرتا ہے جب اِس کا بندہ معاف کر دے، جب آدم معاف کرتا ہے۔ مگر آدم معاف نہیں کیا کرتے۔ آدم کے اندر کا انتقام کبھی نہیں سوتا۔ آدم؟ آدم تو پھر بدلہ لیتے ہیں نا؟ اُس کی پھٹتی ہوئی آنکھوں سے ایک آنسو نکل کر کنپٹی پر جم گیا۔

مٹی کا یہ پتلا سجدوں میں گر کر بھی سنگدل رہتا ہے۔ آدم کا دل موم نہیں ہوتا، اور اگر کبھی غلطی سے معاف بھی کر دے تو دنیا معاف نہیں کرتی۔ یہ بے رحم سماج گناہوں کے داغوں کو کبھی دھونے نہیں دیتا۔ انسان بھول جاتا ہے لیکن دنیا نہیں بھولتی، دنیا سب یاد رکھتی ہے اور جس پر گزری ہوتی ہے، اُسے بھی یاد دلاتی رہتی ہے۔ دنیا ہر چیز یاد رکھتی ہے، ہر چیز۔ آج دنیا کا وہی چہرہ اُس کے سامنے تھا اور معافی کا ہر راستہ مسدود ہو چکا تھا۔

Clubb of Quality Content

اُس کے سینے میں سانسیں اب اکھڑنے لگی تھیں۔ وہ اپنی آخری سانسوں کے عوض آسمان کی طرف گڑگڑاتے ہوئے نئی زندگی مانگ رہا تھا۔اُس کے ہونٹ لرزے، پیاس سے خشک زبان تالو سے چپک گئی اور اُس کی سانسیں اور بھی مدہم ہوتی جا رہی تھیں۔ موت کا پنجہ اُس کے وجود پر کس رہا تھا، اور درد اِس حد کو چھو رہا تھا کہ اُسے اپنا جسم محسوس نہیں ہو رہا تھا۔اُس کا جسم دنیا میں رہنے کو تڑپ رہا تھا، اور روح آزادی کی منتظر تھی۔اُس کی روح اب مزید ٹھہرنا نہیں چاہتی تھی، وہ اِس فانی قید سے پرواز کے لیے پر تول رہی تھی۔

انسان ہونے کے ناطے وہ موت سے خوف زدہ ہو کر آہ و پکار کرنا چاہ رہا تھا۔اُس کی انگلیاں بے بسی سے مٹی کو کھرچنے لگیں اور جسم میں ایک آخری حرکت ابھری۔ وہ کچھ بولنا چاہتا تھا، شاید کلمہ ؟لیکن گلے میں بولنے کی سکت ہی نہیں تھی۔ آواز حلق کے مقتل میں دم توڑ چکی تھی۔

وہ چاہتا تھا کہ زبان سے اپنے گناہوں کا اعتراف کرے اور اپنے جسم سے گمراہی کو نوچ ڈالے۔ وہ چیخنا چاہتا تھا، کائنات کو بتانا چاہتا تھا کہ وہ نادم ہے، وہ اپنے کیے پر سراپا افسوس ہے، وہ خسارے میں ہے، وہ بدنصیب ہے، وہ گنہگار ہے۔ مگر موت نے مہلت نہ دی تھی اور موت کی دستک کے

بعد ہر کوشش بیکار تھی، ہر شرمندگی بے سود۔ توبہ کا دروازہ بند ہونے کو تھا کہ اُس کے جھپکتے پپوٹے اب آخری بار اٹھے۔

اُس کی سیاہ آنکھوں نے آخری بار سارے جہاں کو دھندلا ہوتے دیکھا۔ کائنات کا ہر رنگ، ہر منظر مٹ رہا تھا اور اندھیرا غالب آ رہا تھا، پھر بالآخر حقیقت تسلیم کرتی پلکیں جھپکنا بھول گئیں۔ زندگی کا چراغ گل ہو گیا، تڑپ تھم گئی، اور وہ سیاہ آنکھیں سیاہ بادلوں کو تکتے ہوئے کسی ایک نقطے پر مقید رہ گئیں۔ ایک ابدی جمود تھا جو اُس کے چہرے پر پھیل گیا تھا، وہاں اب صرف بے بسی اور ادھوری رہ جانے والی توبہ کے سوا کچھ باقی نہ تھا۔

موت نے ایک حسین چہرے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا، جس پر کبھی مسکراہٹ تھی، جس پر کبھی امید تھی، کبھی غصہ تھا، اور کبھی آنسو تھے۔ آج اِنتہاء ہو گئی تھی اِن سیاہ، خوبصورت اور دلنشیں آنکھوں کی، جن پر وہ ناز کرتا اور اکڑتا پھرتا تھا کہ اُسے چاہنے والے بہت ہیں۔ وہ آنکھیں جن میں کبھی غرور اور تکبر چمکتا دکھائی دیتا تھا، جن کے ایک اشارے پر دل دھڑکنا بھول جاتے تھے، اب بے نور ہو کر آسمان کے اندھیروں کو تک رہی تھیں۔ اُس کی خوبصورتی کا سحر۔۔۔ اُس کی دلکشی کا بھرم، سب کچھ پل بھر میں مٹی کا ڈھیر ہو چکا تھا۔ مٹی سے بنا وجود مٹی میں ہی مل گیا۔

مٹی کی محبت مٹی کی ہو گئی، آج مٹی نے اپنی امانت واپس لے لی تھی۔ انسان کتنا ہی معتبر کیوں نہ ہو جائے، اُس کا انجام یہی مٹی ہے۔ موت کا یہ کڑوا گھونٹ ہر ایک کو پینا ہے، چاہے کوئی کتنا ہی چھپتا کیوں نہ ہو۔ انسان کی خواہشات تو لامتناہی ہیں، وہ چاہتا ہے کہ اُس کا اقتدار، اُس کا حسن اور اُس کی یہ رنگین زندگی کبھی ختم نہ ہو۔ وہ اِس وہم میں زندگی گزارتا ہے کہ شاید وہ اِس زمین پر ہمیشہ رہے گا اور زوال کبھی اُس کے دروازے پر دستک نہیں دے گا۔ کائنات کا سب سے بڑا سچ یہی آخری سانس ہے، وہ آخری سانس، وہ آخری منظر، آخری بار کچھ بولنے کی وہ تڑپ، وہ آخری کچھ لمحات اور وہ پچھتاوا۔ یہ موت ہے جہاں زندگی کی تمام رعنائیاں دم توڑ دیتی ہیں، اور انسان اکیلا و بے بس ہو کر مٹی کی آغوش میں سو جاتا ہے۔

Clubb of Quality Content

چاہتے تو بشر تا عمر بھی بہیں،

کہ جی لیں اِس دنیا میں اور بہت۔

دیکھیں نہ موت، نہ قبر کبھی،

مگر ہونا ہے اک دن انت یہی۔

*****

موسم کا سحر اپنے عروج پر تھا اور قدرت آج مہربان تھی۔ آج کے دن زمین و آسمان مل کر کوئی مسرت منا رہے تھے۔ افق پر رقص کرتے سفید بادل ہلکی پھوار برسا رہے تھے، جنہیں بادِ خنک کے جھونکے ہر سمت پھیلاتے جا رہے تھے۔ بارانِ رحمت کے گرتے ہی مٹی کی دلفریب اور سوندھی خوشبو ہوا کے دوش پر پورے شہر کو معطر کر رہی تھی۔ اِس موسم میں اسلام آباد کی کشادہ شاہراہیں بھیگ رہی تھیں اور آس پاس کے گھنے درختوں کے نیم واسائے پورے شہر کو سحر انگیز بنا رہے تھے۔ مارگلہ کے دامن میں بسا یہ شہر گویا پرستان کا منظر پیش کر رہا تھا، جہاں ایک محل نما کاشانہ چاروں طرف سے روشنیوں میں نہایا ہوا، اپنی رعنائی سے پورے شہر کے نظاروں کو مات دے رہا تھا۔ اِس عالی شان بنگلے کا جاہ و جلال دیکھنے والے کو ششدر کر دینے کے لیے کافی تھا۔

باہر کا موسم اندر کی رونق کو مزید دوبالا کر رہا تھا۔ وسیع چمن کے اطراف کو دلکش گلاب و ریحان سے سجایا گیا تھا، جو اب بارش کی بوندوں سے تر ہو کر ماحول کو اور سحر انگیز بنا رہے تھے۔ پھولوں کی پتیوں پر ٹھہرے قطرے مروارید کی طرح چمک رہے تھے۔ چمن میں جشن کا سماں تھا اور لوگ میزوں کے گرد بیٹھے، انواع و اقسام کے لوازمات اور مشروبات سے لطف اندوز ہوتے ہوئے محوِ گفتگو تھے۔ قہقہوں کی طنازیاں اور آبگینوں کی کھنکھناہٹ فضا میں رس گھول رہی تھی۔ لوگوں کے چہروں پر مسرتیں اور بے فکری عیاں تھی۔

محفل کی یہ تمام تر رونقیں اور قہقہے ایک خاص مقصد کے مرہونِ منت تھے۔ یہ سب آج دو لوگوں کی منگنی کی تقریب میں مدعو تھے اور اگر ان دونوں پر نظر ڈالی جائے تو وہ سٹیج پر سب کے سامنے ایک دوسرے کو انگوٹھی پہنانے کے بعد، ایک دوسرے کی جانب دیکھتے ہوئے مسکرائے جا رہے تھے۔ دونوں کے چہروں پر عیاں سرخی اور آنکھوں کی چمک ان کی خوشی کا پتا دے رہی تھی۔

اِس مسحور کن جوڑے میں سے وہ گندمی رنگت والی حسین لڑکی، جس نے سفید لباس زیب تن کر کے بادلوں کے پیچھے چھپے چاند کو بھی ماند کر دیا تھا، حیا کے مارے اپنی پلکیں جھکائے ہوئے

تھی۔اِس کے چہرے کا نکھار دیدنی تھااور اِس کے کندھوں سے آگے آتے لمبے سیاہ بال اِس کے وجود کو نکھار رہے تھے۔آج ہر شخص کی نظر بار بار اِس پر ٹھہر رہی تھی۔وہ جب اپنے ریشمی بالوں کو شرماتے ہوئے اپنی نازک انگلیوں سے کان کے پیچھے کرتی، تو اِس کی کلائی میں موجود چوڑیاں ہلکی سی کھنکھناہٹ پیدا کر دیتیں۔

جبکہ اِس کے پہلو میں کھڑا سیاہ آنکھوں والا، روایتی مرد اپنے دراز قد پر اتراتا ہوا، مسلسل مسکراتے ہوئے اِس کو دیکھ رہا تھا۔اِس کے چہرے پر ایک چمک تھی اور چوڑی چھاتی اِس کے فخر کو ظاہر کر رہی تھی۔یہ کوئی عام دن نہیں تھا، بلکہ اِس کی زندگی کا خاص دن اور اِس کی سب سے بڑی جیت تھی، جو آج اِس کو ملی تھی۔وہ مسلسل محبت اور مان سے بھرپور نظروں سے اپنی منگیتر کو تک رہا تھا، گویا کائنات کی سب سے قیمتی دولت آج اِس کی مٹھی میں آگئی ہو۔

وہی سٹیج سے نیچے دیکھیں تو وہ دونوں شرارتی آج بھی اپنی حرکتوں سے باز نہیں آرہے تھے۔اِس کی مسلسل ہنسی اور جملے اب اِس کے صبر کا پیمانہ لبریز کر رہے تھے۔وہ جو شرم اور خوشی کے ملے جلے جذبات سے مغلوب تھی، اب زچ ہو کر اِس کی طرف دیکھنے لگی۔"اب بس بھی کرو۔اب

کیا مجھے سب کے سامنے بچوں کی طرح رلاؤ گے؟"اِس نے اب کی بار بمشکل اپنے آنسو روکتے ہوئے کہا تھا اور اِسے یوں دیکھ کر وہ پگھلنے لگا تھا۔

"نہیں یار!"اِس نے فوراً مکرتے ہوئے اور گردن دائیں بائیں ہلاتے ہوئے کہا تھا، اور پھر ہنسی ضبط کرتے ہوئے ہمدردی جتاتے ہوئے کہنے لگا، "ویسے حد ہے۔۔۔ آئی مین تم۔۔۔ تم"اِس کے چہرے پر شرارت مچلنے لگی۔

اُس کی نظریں بھٹک کر اِس کے پاؤں کی طرف گئیں جنہیں وہ اپنی لمبی فراک کے گھیر میں چھپانے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہ گھبرا کر اپنے پاؤں کو لباس کی تہوں میں چھپا رہی تھی لیکن اِس کی نظروں سے کچھ اوجھل نہ رہ سکا۔ وہ طنز و مزاح سے بھرپور لہجے میں بولا، "تم واقعی اپنی بیسٹ فرینڈ کی شادی میں یہ چپل پہن کے آ گئیں؟" یہ کہتے ہی وہ ایک بار پھر اپنے منہ پر ہاتھ رکھتا ہوا قہقہہ لگا گیا۔ اِس کا کھلکھلا کر ہنسنا فضا میں گونجا تو آس پاس کے لوگ بھی مسکرا دیے۔

جبکہ وہ دانت پیستے ہوئے طنزیہ لہجے میں کہنے لگی، "مسٹر شجاع اورنگزیب! آپ کو کتنی دفعہ بتایا ہے میں نے کہ جلدی میں ہو گئی غلطی مجھ سے۔۔۔ اب کیا سولی چڑھ جاؤں؟"اِس کے نتھنے غصے سے پھول رہے تھے اور وہ اپنی نظریں چاروں طرف دوڑا رہی تھی کہ کہیں کسی اور نے یہ

ماجرا نہ دیکھ لیا ہو۔ آخر میں آنکھیں گھماتی ہوئی بولی، "اور ویسے بھی اور کسی کی تو شاید نظر بھی نہ پڑی ہو۔ جو توں کو آخر دیکھتا کون ہے؟۔۔۔ لیکن آپ جناب کو تو بس ہر وقت کسی نہ کسی بات پر مجھے ذلیل کرنے کا موقع چاہیے ہوتا ہے نا!" اب کی بار اِس نے ذرا دانت پیستے ہوئے غصے میں کہا تو شجاع بوکھلا گیا۔ اِس نے ہڑبڑا کر اپنے دونوں ہاتھ ہوا میں اٹھا لیے۔

"اچھا بابا! اب نہیں کہتا۔۔۔ خوش!" اِس نے کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے معذرت خواہانہ انداز میں کہا، جبکہ اِس کے دماغ میں شرارت کا اگلا حربہ تیار تھا۔

"بیٹا! لگتا ہے آج کل آپ واقعی بہت مصروف ہو گئی ہیں،" اِس کے قریب جھکتے ہوئے شجاع نے عادت سے مجبور ہو کر نگین کی نقل اتارتے ہوئے، بھاری آواز میں کہا تو میرب اِسے غصے سے گھورتی رہ گئی۔ وہ اِسے اِس کی ماں کی بات یاد دلا رہا تھا۔ اُس کے چہرے پر مصنوعی خفگی کے تاثرات ابھرے تھے، مگر اگلے ہی پل وہ اِس کی اِس بے عیب اداکاری پر ہنسنے لگی تھی۔ اِس کی کھلکھلاہٹ نے ماحول کے اِس ہلکے پھلکے تناؤ کو دور کر دیا اور دونوں ایک بار پھر اِس مسحور کن شام کے رنگوں میں کھو گئے تھے۔

ان دونوں کی یہ بے فکری اور ہنسی مذاق ابھی جاری ہی تھا کہ اچانک ایک سنجیدہ آواز نے ان کے قہقہوں کا سلسلہ توڑ دیا۔ آمنہ تیز قدم اٹھاتی ہوئی ان کے قریب آئی اور ہاتھ کے ہلکے سے جھٹکے سے متوجہ کرتے ہوئے دبی دبی آواز میں بولی، "یار! کیا کر رہے ہو تم دونوں؟۔۔۔امائرہ کافی غصے میں ہے، کب سے وہ تم دونوں کو بلا رہی ہے۔" آمنہ نے ان کو خبردار کرتے ہوئے امائرہ کی طرف اشارہ کیا، جو سٹیج سے انہیں گھورتی، اپنی نظروں کے تیر برساتے ہوئے ہاتھ کے غصیلے اشارے سے بلا رہی تھی۔اِس کے چہرے پر خفگی واضح تھی۔

شجاع نے فوراً گردن گھما کر سٹیج کی طرف دیکھا اور میرب کی آستین پکڑ کر اِس کو بھی سٹیج کی طرف دیکھنے پر مجبور کیا۔ میرب نے پہلے شجاع کو غصے سے دیکھا اور پھر سٹیج کی طرف، اور اِس طرف دیکھتے ہی اِسے امائرہ کی آگ برساتی آنکھیں دکھائی دیں۔

پھر کیا تھا، اِس نے اپنی لمبی فراک کو ایک ہاتھ سے سنبھالا اور گھبراتی ہوئی، چہرے پر ملامتی تاثرات سجائے آگے قدم بڑھا دیے۔

"چلو! چلو! اِس سے پہلے محترمہ اپنی منگنی والے دن اپنے دوستوں کا قتل کر دیں،" میرب نے شجاع کو بھی خبردار کیا تھا اور پھر دونوں ہی سٹیج کی طرف بڑھ گئے تھے۔

Clubb of Quality Content

*****

تقریب کا باقاعدہ اختتام ہو چکا تھا اور اب مہمانوں کی واپسی کا سلسلہ شروع تھا۔ لان میں لگی روشنیاں مدہم کی جا رہی تھیں۔

"چلیں اب شجاع؟" نگین نے اُس سے واپسی کا پوچھا، بلکہ گویا یاد کروایا کہ گھر بھی جانا ہے۔ وہ اپنے ہینڈ بیگ کی پٹی کو درست کرتے ہوئے جیسے ہی جانے کے لیے مڑیں، تو سامنے کھڑی امائرہ کو دیکھ کر ٹھٹھک گئیں۔ "اتنی جلدی؟ دوستوں کا کام تو ابھی باقی ہے،" شجاع کی طرف متوجہ ہوتی امائرہ نے مطلب ہی مطلب میں بات کی تھی اور ساتھ آنکھوں سے اشارہ بھی کیا تھا۔ جو شجاع اچھے سے سمجھ گیا تھا، آخر وہ دوست ہی کیسے جو ایک دوسرے کے اشارے نہ سمجھیں؟ پکے دوست تو آنکھوں کی بات سمجھ لیتے ہیں۔

اِس نے فوراً اپنی والدہ کے کندھے پر ہولے سے ہاتھ رکھا اور دھیمے، لاڈلے لہجے میں ماں سے مخاطب ہوا، "امی! آپ چلیں، ہم چاروں دوست ذرا گپ شپ لگائیں گے۔"

"ٹھیک ہے بیٹا! انجوائے کرنا۔۔۔ میں چلتی ہوں،" شجاع اور امائرہ کو پیار دیتیں نگین اب جانے لگیں۔

اب دیکھیں تو لان میں صرف ان چاروں دوستوں کا قبیلہ باقی تھا۔

مہمانوں کے جاتے ہی شجاع نے فیروز کی طرف رخ کیا، اُس کے چہرے پر شرارت مچل رہی تھی۔ "سو بھائی فیروز حسن صاحب! آپ ذرا یہاں صوفے پر تشریف رکھیے،" شجاع نے اسے لینوگ ایریا میں لاتے اِسے دونوں شانوں سے تھامتے، بچوں کی طرح صوفے پر بٹھاتے ہوئے کہا اور پھر بولا، "اور ہاں! جب تک ہم میں سے کوئی، یعنی آپ کے تین حسین دوستوں میں سے کوئی نمودار نہ ہو، آپ یہاں سے دو انچ بھی نہیں ہلیں گے۔" فیروز نے مسکراتے ہوئے اپنے دونوں ہاتھ صوفے کی پشت پر پھیلا دیے اور بادشاہ کی طرح متمکن ہو گیا۔ شجاع نے اِسے دوستانہ گھورکی سے نوازا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ کچھ دیر بعد ہی لیونگ ایریا کا واحد داخلی دروازہ بند ہوا تھا اور وہ باہر نکل گیا تھا، جبکہ فیروز پیچھے صوفے پر بیٹھا مسکرا رہا تھا۔ اگر آج فیروز کو کوئی سرد پہاڑ پر بھی بٹھا دیتا تو وہ اف تک نہ کرتا۔ اِس کے چہرے پر طمانیت اور سکون تھا اور آنکھوں میں انوکھی چمک ابھر آئی تھی۔ آج اِس نے اپنے جینے کی وجہ، اپنی محبت اپنی میرہ کو

جو پا لیا تھا، اِسے پانے کے لیے فیروز نے ہر قسم کے جتن کیے تھے۔ اِس کی آنکھوں میں ماضی رقص کرنے لگا۔۔۔ کبھی جو وہ اِس سے دور تھی تو کبھی اِسے پانا ناممکن سا لگتا تھا۔ جبکہ اِس لمحے وہ سب ماضی ہو گیا تھا اور فیروز خوش تھا، بے حد خوش۔ ماضی کی تمام تلخیاں اور دوریوں کے دکھ اِس ایک پل کی خوشی کے سامنے ہیچ ہو چکے تھے۔

دوسری طرف، اوپر کے کمرے میں ہلچل مچی ہوئی تھی، جہاں فیروز کے لیے حیران کن تحفے کی تیاریاں عروج پر تھیں۔ "چلو! چلو! یار جلدی کرو،" امائرہ نے کمرے میں داخل ہوتے ہی بغیر سانس لیے کہا تھا، اِس کا اکھڑا ہوا سانس اور تیزی سے دھڑکتا دل اِس کے ہیجان کا پتا دے رہا تھا۔ اِس کو یوں دیکھ کر میرب بولی، "کیا ہو گیا ہے یار؟ سب تیار تو ہے،" میرب نے پلنگ پر پڑی چیزوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مائرہ کی توجہ اِس طرف دلاتے ہوئے کہا تو امائرہ نے ایک تسلی بھری نظر پلنگ پر ڈالی، مسکرائی، لیکن اِس کی خوشی عارضی ثابت ہوئی تھی، جلد ہی اِس کے بھاری کپڑے اِس کا منہ چڑھانے لگے تھے۔ اِس نے اپنے بھاری کپڑوں کو دیکھا اور پھر میرب کی طرف مخاطب ہوئی،

ناول کلب
Clubb of Quality Content

"ہاں! ٹھیک ہے۔۔۔ میں بس لباس تبدیل کر کے آتی ہوں، تب تک تم اور شجاع نیچے سب درست کرو۔"اِس نے اپنے بھاری لہنگے کے گھیر کو دونوں ہاتھوں سے سمیٹا اور کمرے میں ایک طرف بنے غسل خانے میں گھس گئی، جبکہ میرب شجاع کو آوازیں دینے لگی، جو یہاں آنے کا کہہ کر غائب ہو گیا تھا۔ میرب کمرے سے باہر آئی اور کمر پر ہاتھ رکھے چاروں طرف نظریں دوڑانے لگی۔اِس نے دالان کی طرف دیکھا، لیکن دور دور تک شجاع کا کوئی پتا نہیں تھا۔ حسبِ عادت محترم جہاں جاتے ہیں، وہیں کے ہو کر رہ جاتے ہیں، ابھی بھی جانے کہاں خود کو بھول گیا ہو گا۔اِس نے دل ہی دل میں شجاع کو کوسا تھا۔"اف! کہاں رہ گیا ہے یہ اب؟" وہ پیر پٹختی ہوئی اب ادھر ادھر ٹہلنے لگی تھی۔ایسے دو دوست تو ہر جگہ پائے جاتے ہیں جو ایک دوسرے کے بنا بھی نہیں رہ سکتے اور ایک دوسرے کے ساتھ بھی نہیں رہ سکتے۔ان دونوں کی دوستی بھی ایسی ہی تھی، جہاں محبت بھی بے پناہ تھی اور ایک دوسرے کو زچ کرنے کا کوئی موقع بھی ہاتھ سے نہیں جانے دیا جاتا تھا۔

*****

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

کمرے میں وقت جیسے تھم سا گیا تھا۔اِسے بیٹھے آدھا گھنٹہ ہو چکا تھا اور اب نیند اِس کے اعصاب پر سوار ہو رہی تھی۔ تھکن کے مارے اِس کے پپوٹے بوجھل ہو رہے تھے، ابھی وہ جمائی روکتا ہوا، آنکھوں میں آنے والی نمی کو صاف کر رہا تھا کہ یکدم پھیلنے والی روشنی نے اِس کی آنکھوں کو پھر سے بیدار کیا۔ کمرے کے گھپ اندھیرے کو چیرتی ہوئی چراغوں کی مدہم روشنی چاروں طرف پھیل گئی اور پھر اگلے ہی پل اِس کے کانوں میں بہت ساری آوازیں گونجیں، "ہیپی برتھ ڈے ٹو یو! ہیپی برتھ ڈے ٹو یو!" اچانک ہونے والی یہ صورتحال دیکھ کر وہ ہڑبڑایا۔ ابھی وہ ذرا سا صوفے سے اٹھا ہی تھا کہ وہ تینوں یک زبان یہ کہتے ہوئے اِس کے سامنے آئے اور پھر خوشبودار پھولوں کی پتیاں اِس پر گرانے لگے، پھولوں کی مہک اِس کو معطر کرنے لگی اور اِس کے چہرے اور اِس کے مزاج کو تروتازہ کرنے لگی، نیند جیسے ہوا ہو گئی تھی۔

رنگ برنگی پتیوں کی برسات نے اِس کے چہرے کی تھکن کو پل بھر میں خوشی میں بدل دیا۔ پھر کیا تھا، فیروز حسن نے سرِ خم تسلیم کرتے ہوئے اپنے جگری یاروں کا شکریہ ادا کیا اور مسکراتے

ہوئے مائرہ کا ہاتھ تھامتے ہوئے، میز کے قریب کھڑے ہو کر کیک کاٹنے لگا۔ چاروں طرف تالیوں کی گونج اور قہقہے بکھر رہے تھے، وہ سب خوش تھے، بے حد خوش۔

کچھ دیر بعد جب محفل ذرا پر سکون ہوئی، تو شجاع اور میرب انہیں کچھ پل اکیلے دینے کے بہانے وہاں سے ہٹ گئے۔ کیک کھانے کے بعد، امائرہ اِس کے پاس بیٹھتی ہوئی، پیار سے پوچھنے لگی، "تو پھر کیسا لگا میرا سرپرائز؟" اِس کی جھیل جیسی آنکھوں میں فیروز کے لیے بے پناہ محبت اور اشتیاق تھا۔

فیروز کے چہرے پر ایک دلنواز مسکراہٹ ابھری۔ "یہ تو مجھے پتا ہی تھا کہ تم لوگ میری سالگرہ تو نہیں بھولنے والے، میرے لیے اِس سے بھی زیادہ خاص اور اہم جو تھا، وہ آج شام کو ہو چکا۔" فیروز نے اِسے اپنے قریب کرتے ہوئے، اِس کی جانب دیکھتے ہوئے، اپنے لفظوں میں محبت کا اظہار کیا تھا۔ اِس کے الفاظ خوشبو کی طرح اِس کی روح میں اتر رہے تھے۔ شرماتی امائرہ نے حیا سے نظریں جھکا دیں۔

"ایسا بھی کیا تھا جو تمہارے لیے اپنی سالگرہ سے بھی زیادہ اہم تھا؟" وہ اپنی انگلیوں سے اپنے لباس کے گھیر کو مسلنے لگی، وہ اِس وقت گلابی رنگ کے ڈھیلے ڈھالے سے سہ آتشہ لباس میں تھی، جس کا جالی دار دوپٹہ نیچے گر رہا تھا، وہ اِس پر نہایت ہی جچ رہا تھا۔

امائرہ کو خوب پتا تھا کہ فیروز کس بارے میں بات کر رہا ہے، لیکن پھر بھی پوچھ رہی تھی، آخر کیوں نہ پوچھتی محبوب کے اظہار سے زیادہ مسحور کن آخر کیا ہو سکتا ہے؟ امائرہ کو بھی پسند تھا فیروز کا اِسے اظہار کرنا۔

فیروز اِس کی جھکی ہوئی پلکوں کو مسکراہٹ کے ساتھ تکنے لگا۔ اِسے امائرہ کو یوں دیکھ کر اچھا لگا تھا، وہ شرماتی ہوئی حسین لگتی تھی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"وہ یہ کہ آج اِس خوبصورت لڑکی نے مجھ جیسے عام سے آدمی کو،" اِس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اِس نے پل بھر کا توقف کیا۔

اور پھر توقف کے بعد، اِس کا ہاتھ تھامتے ہوئے فیروز اپنی بات پوری کرنے لگا، "اپنے اِن حسین ہاتھوں سے مجھے اپنے نام کی انگوٹھی پہنائی، خود کو میرے نام کر دیا۔ امائرہ فیروز کی ہو گئی، اِس سے زیادہ حسین، اِس سے زیادہ خوبصورت، اِس سے زیادہ خوشی کی بات میرے لیے اور کیا ہو

سکتی ہے؟ تمہیں دیکھ کر تو اچھے اچھوں کو محبت ہو جائے۔" اپنی محبت کا اعتراف اِس نے جن خوبصورت الفاظ میں کیا تھا کہ امائرہ اِسے دیکھتی رہ گئی۔ اِس کا دل زور سے، پوری رفتار سے دھڑکنے لگا تھا۔ فیروزاب اُس کے چہرے پر آئی لٹوں کو اِس کے کانوں کے پیچھے کر رہا تھا، جبکہ وہ دوبارہ اپنی نظریں جھکا گئی تھی۔

وہ گھبرا گئی تھی، کان لال ٹماٹر کی طرح سرخ ہو گئے تھے جبکہ گردن پر ہاتھ پھیرے بنا نہ رہ سکی۔ اِس کی یہ گھبراہٹ دیکھ کر ہمیشہ کی طرح وہ فیروز کے دل کو اور بھی بھا گئی تھی۔

وہ دونوں خود میں مگن، زماں و مکاں سے بے خبر، ایک دوسرے کو تک رہے تھے، لیکن ان دو شیطانوں کو کہاں یہ منظور تھا۔ اچانک ہی ایک جانی پہچانی کھانسی کی آواز نے ان دونوں کو ہوش دلایا۔ شجاع کمرے کے کونے میں ہاتھ باندھے کھڑا شرارتی نظروں سے انہیں ہی تک رہا تھا۔

"اہم اہم! تھوڑا اپنے ارد گرد بھی دیکھ لیں" شجاع نے گلا کھنکھارتے ہوئے کہا۔ شجاع کی بات پوری نہ ہوئی تھی کہ اِس کے پیچھے سے میرب نے ان کو دیکھتے ہوئے ہاتھ ہلاتے ہوئے اپنے ہونے کا بھی احساس دلایا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"بھئی! ہم لوگ بھی یہاں موجود ہیں۔" میرب نے اپنی ابرو اچکاتے ہوئے شجاع کی بات کی تائید کی۔ میرب اور شجاع کی یکدم آمد پر اُن دونوں کو سمجھ نہیں آیا کہ منہ کدھر چھپائیں۔ فیروز نے جھینپ کر خارش کرنے کے بہانے اپنا سر جھکایا، جبکہ امائرہ کا چہرہ شرم سے لال ہو گیا تھا اور اُس نے فوراً فیروز سے ذرا فاصلہ اختیار کیا۔

"پتا نہیں کب سے کھڑے ہیں یہ دونوں یہاں۔۔۔اف!" امائرہ نے دل میں میرب اور شجاع کو کوستے ہوئے، خفگی سے شجاع کو گھورا تھا۔ "تو کس نے کہا تھا؟ کہ دو پیار کرنے والوں کے درمیان ہڈی بنو؟" فیروز نے چڑ کر کہا، اِس کے لہجے کی جھنجھلاہٹ پر شجاع کی ہنسی چھوٹی، وہی میرب ان کو کہنے لگی، "لو بھئی! یہ نہ بھولیں آپ دونوں۔۔۔ آج جو دونوں منگیتر بنے بیٹھے ہو نا،" اِس نے دونوں کی طرف انگلی سے اشارہ کیا اور طنزیہ انداز میں گردن ہلا کر یاد دہانی کرائی،

"یہ ہماری بدولت ہی ممکن ہوا ہے۔۔۔ ورنہ۔۔۔"

میرب نے اپنی اور شجاع کی طرف اشارہ کیا، وہ اور بولنے لگی تھی کہ امائرہ نے ہار تسلیم کر لی تھی۔

"اچھا بابا! اب وہ ضروری کام کرنے دو مجھے۔" اِس نے میرب کی زبان پر تالہ لگاتے ہوئے اپنے پرس سے ایک بند لفافہ نکالا۔ پھر یہ لفافہ فیروز کو تھمایا، جو اِس نے مسکراہٹ کے ساتھ پکڑا اور

پھر اسی مستی خیز لہجے میں بولا، "میڈم! آج تو اگر آپ قدموں میں بھی بیٹھنے کا کہیں گی نا، تو وہ بھی کریں۔" وہ صوفے پر ذرا آگے کو جھکا تھا۔ امائرہ اِس کے اِس بے وجہ اعترافِ محبت پر کھلکھلا اٹھی، وہ نہ جگہ دیکھتا نہ وقت نہ مدعا، جب دل کرتا امائرہ سے اپنی محبت کا اظہار کر دیتا اور جن لفظوں میں دل چاہتا ان الفاظ میں کرتا۔

"اچھا جی!" امائرہ نے ہنستے ہوئے جواباً کہا تھا اور محبت پاش نظروں سے اپنے اِس دیوانے کو تکنے لگی جو آج کے دن دنیا کا خوش نصیب ترین انسان بنا بیٹھا تھا۔

پھر امائرہ نے اپنے چہرے پر مصنوعی سنجیدگی سجائی اور فیروز کے ہاتھ میں موجود لفافے کی طرف اشارہ کیا۔ "خیر! اب اصل مدعے پر آتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ یہ لفافہ دراصل ایک عہد نامہ ہے، جس پر میں اپنے فیروز سے عہد لوں گی،" کتنے غرور اور حق کے ساتھ بولی تھی امائرہ کہ فیروز تکتا رہ گیا۔ "اور تم دونوں احمق اِس بات کے گواہ بنو گے،" کہتی ہوئی فیروز کو قلم پکڑاتی اِس کے ساتھ بیٹھ گئی، جبکہ وہ دونوں پاس کھڑے مسکرائے تھے، 'احمق' تو وہ ہر روز اِس کے منہ سے سنتے تھے۔

فیروز نے قلم انگلیوں میں گھمایا اور والہانہ انداز میں امائرہ کے جھکے ہوئے چہرے کو تکا۔"آپ چاہیں تو خود کو بھی آپ کے نام لکھ دوں، یہ عہد کیا چیز ہے؟" فیروز نے لفافہ کھولتے، قلم تھامتے اور اِس کی جانب دیکھتے ہوئے پیار بھرے لہجے میں کہا تھا اور پھر تحریر پڑھنے لگا۔اِس کی آنکھیں کاغذ پر لکھی سطروں کے ساتھ ساتھ گھوم رہی تھیں، جہاں امائرہ کے دل کے جذبات لکھے ہوئے تھے۔

عہد نامے کی تحریر:

"ٹھیک ایک سال بعد ہم اِسی تاریخ، یعنی سردیوں کے آغاز میں نکاح کریں گے اور سادگی سے مدینے میں کریں گے،اور پھر دونوں ہنی مون کے طور پر عمرہ ادا کریں گے،اور شادی کے تحفے میں تم مجھے مدینے میں ایک اپارٹمنٹ لے کر دو گے۔" (آہ! معصوم لڑکی کا معصوم سا عہد نامہ)، فیروز کے ہونٹوں پر محبت بھری مسکراہٹ ابھری۔اِس کی نظریں مزید نیچے گئیں جہاں دستخط کی جگہ کے آخر میں لکھا تھا:

"اور ہاں! میں تم سے عہد کرتی ہوں کہ آج سے میں تمہاری ہوں، تم میرا پہلا اور آخری عشق ہو، تمہارے علاوہ کسی کو دیکھنا کیا، میں کسی کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتی۔" ان آخری

سطروں نے فیروز کے دل کی دھڑکن کو جیسے ایک پل کے لیے روک دیا۔اِس نے کاغذ سے نظریں اٹھا کر امائرہ کے چہرے کو دیکھا،اِسے یقین نہیں آرہا تھا۔

"واقعی؟" فیروز اپنی حیرت کو چھپاتے ہوئے بولا، پھر کہنے لگا، "مجھے لگا تم میری جائیداد یا پھر شاید کوئی وفا کا عہد لو گی، لیکن یہ تو۔۔۔" کہتا ہوا وہ رُکا۔اِس کا گلا جذبات کی شدت سے رُندھ گیا تھا، لفظوں کو آگے بڑھا نہ سکا، بس اِس کا ہاتھ امائرہ کے ہاتھ پر مزید مضبوط ہو گیا تھا، وہ امائرہ کے اِس عہد کو اپنے دل پر لکھ کر ہمیشہ کے لیے قید کر رہا تھا۔

اِس کے ادھورے جملے اور تاثرات پر امائرہ کے لبوں پر ایک دلنشیں مسکراہٹ ابھری۔

"جائیداد تو بہت ہے میرے پاس، اور رہی بات وفا کی تو وہ مجھے یقین ہے کہ تم کبھی مجھ سے بے وفائی نہیں کر سکتے، کیونکہ۔۔۔" ایک پل کو وہ رُکی اور پھر مان بھرے لہجے میں بولی، "تمہیں میں نے اپنے لیے نہیں منایا، بلکہ تم تو خود مجھے چاہتے ہو نا؟" اِس نے اپنی ٹھوڑی کو ذرا سا اٹھایا، اِس کے لہجے کا یہ بے پناہ مان فیروز کے دل کو چھو گیا۔ یہ کہتے ہوئے اِس کی آنکھوں سے اپنی بات کی تصدیق چاہی تو فیروز نے دیر نہ کی۔اِس کے لیے اعترافِ محبت کرنے میں ایک پل کی بھی تاخیر اِسے گوارا نہ تھی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"ہاں! بالکل۔" کہتے ہوئے اِس نے مسکراتے ہوئے کاغذ پر دستخط کیے۔ قلم کی نوک جیسے ہی کاغذ پر گھومی، ان کے خوابوں کو حقیقت کا ایک خوبصورت روپ مل گیا۔ پاس کھڑی میرب نے ان دونوں کی اِس والہانہ محبت کو دیکھا تو اِس کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو چمک اٹھے۔ "ایک نے ماں باپ کے بغیر منگنی کی ہے اور دوسری نے اپنے باہر جانے کے خواب کو چھوڑا ہے،" میرب نے دونوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے خوشی سے کہا۔ وہ ان دونوں کی قربانیوں اور سچی محبت پر دل ہی دل میں نہال تھی۔

"اب شاباش! دونوں یہ سب ختم کرو تاکہ ہم دونوں بھی گھر کو جائیں، بہت تھکاوٹ ہو گئی ہے،" آخر میں وہ بیزاری سے بولی۔ اُس نے اپنے دونوں ہاتھ کمر پر رکھتے اور ایک طویل سانس بھرتے ہوئے گھڑی کی جانب دیکھا تھا۔

لیکن امائرہ اور فیروز کو دیکھ کر گمان نہیں ہوتا تھا کہ دونوں ایک گھنٹے سے قبل اٹھنے والے تھے۔ اِسی لیے شجاع نے میرب کو اشارہ کیا، تو وہ دونوں آئس کریم لینے چل دیے۔

اُس وقت وہ دونوں کُھلے باورچی خانے میں تھے، جہاں شجاع آئس کریم نکال رہا تھا اور میرب سلیب پر چوبی خانوں میں پیالیاں اور چمچ سجانے لگی۔ شجاع نے بڑی مہارت سے پیالیوں میں

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

آئس کریم ڈالی اور میرب کی طرف دیکھ کر دوستانہ تبسم کا تبادلہ کیا۔ کچھ لمحوں بعد، باورچی خانے سے لوازمات سجائے شجاع اور میرب نشست گاہ کی طرف بڑھ رہے تھے۔ شجاع نے آئس کریم کی چوبی طشتری میز پر رکھی اور رخصت چاہنے کے لیے اپنی چابیاں جیب سے نکالیں۔

"تھوڑی دیر بیٹھ جاؤ۔" فیروز نے انہیں کچھ دیر رکنے کا کہا تو وہ دونوں نشست گاہ پر بیٹھ گئے۔ اُن دونوں کے بیٹھنے کی دیر تھی کہ فیروز لفافہ امائرہ کو پکڑاتے ہوئے بولا، "تم کہو گی مدینے میں ہی رہنا ہے، تو میں کہوں گا سمجھو ہو گیا۔"

"نہیں بھئی! اتنی ظالم نہیں ہوں میں کہ اکلوتے بیٹے کو ماں باپ سے دور کر دوں،" امائرہ نے میز پر رکھی طشتری سے آئس کریم لیتے ہوئے جواب دیا۔ اور پھر چمچ کو پیالی میں گھماتے ہوئے دھیمی مسکراہٹ شجاع اور میرب کی طرف اچھالی، جبکہ میرب کے چہرے پر اب بھی مبہم سی تشویش عیاں تھی۔

"یار! ویسے پکا ہے نا، انکل آنٹی مان جائیں گے؟ اب تو امائرہ نے باہر جانے کا فیصلہ بھی چھوڑ دیا ہے،" میرب نے فکر مند لہجے میں کہا۔ اُس نے اپنے دونوں ہاتھ آپس میں جکڑ رکھے تھے۔ وہ اُن کے مستقبل کے لیے واقعی فکر مند تھی۔

جبکہ فیروز نے میرب کی اِس فکر پر ایک اطمینان بخش نظر ڈالی تھی۔

"ہاں ! بالکل، اب جب میری میرو نے میرے کہنے پہ ان کی بات مان لی ہے، تو وہ کیوں نہیں مانیں گے ؟اور اب جو بھی ہو جائے، میں اسے کبھی اکیلا نہیں چھوڑوں گا۔"اُس نے اتنے یقین اور مستحکم لہجے میں کہا کہ اُس کا یہ کہنا تھا کہ امائرہ یک لخت پھر سے مسکرانے لگی۔اُس کے دل کا سارا خوف فیروز کے اِس ایک جملے سے کافور ہو چکا تھا۔"ہاں بھئی! میری حسین دوست ملی ہے آپ کو،اب تو آپ کو ساری دنیا دھندلی نظر آنی چاہیے،"میرب نے امائرہ کے ساتھ لگتے ہوئے کہا تھا جس پہ فیروز سر جھکائے ہنسنے لگا۔

ناول کلب
Clubb of Quality Content

کچھ دیر مزید ہنسی مذاق اور آئس کریم کا دور چلتا رہا،اور پھر تھوڑی دیر بعد شجاع اور میرب اِن دونوں کو سلام دعا کرتے چلے گئے۔اب اِس وسیع اور پر سکون نشست گاہ میں صرف وہ دونوں رہ گئے تھے، جہاں محبت کی رم جھم اب بھی جاری تھی۔فیروز نے اپنی کلائی پر بندھی گھڑی پر نظر ڈالی،وقت کافی ہو چکا تھا۔"اگر آپ اجازت دیں تو میں بھی چلوں اپنے گھر ؟"فیروز نے اجازت طلب نظروں سے امائرہ کو دیکھا۔

"جی بالکل! منگیتر صاحب،"اُس کے کہتے ہی فیروز جانے کے لیے آگے بڑھا، لیکن پھر اُس کی طرف مڑتے، اُس کی گندمی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولا، "میرو! کبھی تمہیں لگا کہ تم اکیلی ہو تو بس یہ یاد رکھنا کہ میں سایہ بن کر ہمیشہ تمہارے ساتھ رہوں گا۔"کسی سحر کی کیفیت میں یہ کہتا وہ پلٹ گیا، جبکہ اِس بات پہ امائرہ کئی لمحے مسکراتی رہی اور پھر اندر کی طرف چل دی۔ یہ سب تقدیر کے فیصلے ہیں، بعض دفعہ لوگ ہماری زندگیوں میں پلٹ کر ہمارے لیے بہت کچھ کر جاتے ہیں اور ہم بے خبر کھڑے مسکراتے رہتے ہیں۔ وہ نہیں جانتے کہ آنے والا کل اُن کے لیے کیا لکھ چکا ہے۔ وہ دالان کو پار کرتی ہوئی نشست گاہ کے وسط میں آئی جہاں دیوار پر لگی ایک بڑی شبیہ نے اُس کے قدم روک دیے۔ نشست گاہ کے وسیع دروازے کے وسط میں لگی اپنے والدین کی تصویر کو دیکھتے ہوئے وہ کہنے لگی، "امی! پتا ہے آج مجھے واقعی لگ رہا ہے کہ میں نے صحیح شخص کا انتخاب کیا ہے۔۔۔ آپ ہمیشہ کہتی تھیں نا کہ بہت جلد کسی پہ بھروسہ نہ کیا کرو، لیکن دیکھیے! آج مجھے فیروز پہ بھروسہ کر کے ایسا لگتا ہے کہ مجھے یہ بھروسہ پہلے کر لینا چاہیے تھا۔"اُس نے تصویر میں مسکراتی اپنی ماں کی آنکھوں کو دیکھا، اور اُن سے اپنی خوشی کی تائید چاہی۔ پھر کچھ سوچتے ہوئے کہنے لگی، "آخر ہر کوئی ایک جیسا نہیں ہوتا،"اُس کے لہجے میں فیروز کے لیے مان

تھا، پھر بڑے پیار سے اُن کے چہرے پہ محبت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے بولی، "اور بابا! آج آپ کی بیٹی نہیں روئے گی، آج آپ کی شہزادی بہت خوش ہے اور مجھے امید ہے کہ آپ بھی خوش ہوں گے۔" اُس کی آواز کا دھیما پن اور آنکھوں کی نمی اُس کے اندر کے سکون کو بیاں کر رہی تھی۔ وہ اب تصویر کو پیار کر رہی تھی، تصویر کو پیار کرنے کے بعد وہ اپنے کمرے کی جانب چل دی۔

وہ اپنی ہی دنیا میں مگن، روشنیوں سے لدے اِس گھر کے محفوظ کمرے کی طرف بڑھ رہی تھی، اِس حقیقت سے بالکل انجان کہ باہر کی تاریک رات میں کچھ بہت ہی برا اُس کا منتظر ہے۔ ہر کوئی واقعی ایک جیسا نہیں ہوتا۔۔۔ لیکن کون کیسا ہے یہ بھی کون جانتا ہے؟ شرافت کے لبادوں میں چھپے چہرے کب اپنا اصل روپ دکھا دیں، یہ صرف وقت ہی طے کرتا ہے

*****

موسم کا عتاب اب تھم چکا تھا، قدرت نے اپنی سرکشی کا حساب پورا کر لیا تھا۔ طوفانی باراں نے ہر شجر کو نڈھال کر ڈالا تھا، اب آسمان پہ چمکتے تارے اِس کی برباد کردہ فضاؤں پہ ٹھہراؤ پھیلا رہے تھے، جبکہ صرصر چلتی ہوا نے اب آخر کار ٹھنڈا سانس لیا تھا۔ فضا میں اب صرف گیلے پتوں کی سرسراہٹ اور شب کا دلکش سکون باقی رہ گیا تھا۔

اِسی منظر سے ہٹ کر اگر دیکھا جائے تو ایبٹ آباد کے ایک حسین جبل پہ، جہاں سے وادی کا پورا شہر دکھائی دے رہا تھا، ایک چھوٹے مگر خوبصورت مسکن میں رات کے اِس پہر آتش دان دہک رہا تھا، جس نے آس پاس کے ماحول کو گرم کر رکھا تھا۔ کمرے میں لکڑیوں کے جلنے کی دھیمی سی آواز اور نارنجی روشنی کا سحر پھیلا ہوا تھا۔ پھر ایک لمحے بعد وہ سرمئی لباس میں ملبوس غسل خانے سے باہر آیا، اور آتش دان کے بالکل سامنے لگے آئینے میں دیکھتا اپنے گیسو سنوارنے لگا، جن سے وہ خود سے بھی زیادہ محبت کرتا تھا۔ اُس نے اپنی انگلیاں بڑی نفاست سے اپنے ریشمی بالوں میں پھیریں۔ پھر پاس پڑی خواب گاہ کی مسہری پہ رکھا لبادہ پہنتا، آخر میں عطر چھڑکنے لگا۔ عطر کی سحر انگیز خوشبو نے پل بھر میں پورے مسکن کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

وہ آئینے کے سامنے سے ہٹا اور پھر اپنی بھوری آنکھوں سے، جو ہمیشہ لمبی سیاہ پلکوں کی قید میں مقید تھیں، کھڑکی کے پار دلکش نظارے کو دیکھتا ہوا مسکرا دیا۔ فرازِ کوہ سے نیچے بکھری شہر کی روشنیاں چمک رہی تھیں۔ ابھی وہ پر سوچ نگاہوں سے اِس منظر سے لطف اندوز ہو رہا تھا کہ یکدم دروازے پہ دستک ہوئی، تو اُس نے اجازت دی اور رخ دروازے کی طرف پھیر لیا۔ وہ یہ دیکھنے کے لیے مڑا کہ رات کے اِس پہر اُس کے خلوت خانے میں کون مخل ہونے آیا ہے۔

دھیرے سے دروازہ کھلا اور ایک ادھیڑ عمر ملازم کمرے میں داخل ہوا۔ وہ اندر آیا اور سلام کرتے ہی بولا، "صاحب! آپ نے صحیح کہا تھا، وہ اسلام آباد میں ہی مقیم ہیں۔ اگر آپ کہیں تو آگے کا کام کروں؟" اُس شخص نے ہاتھ باندھے، نہایت ادب سے اِسے تفصیل بتائی اور پھر اجازت طلب کی۔ اُس کی جھکی ہوئی نظریں اور وہ دھیما لہجہ، واضح تھا کہ وہ کسی انتہائی خفیہ اور اہم مہم پر مامور ہے۔

عالمگیر کے چہرے پر سرد مہر اور سخت تاثرات ابھرے۔ اُس نے اپنے لبادے کے بند ھن بند کیے اور خوفناک حد تک سنجیدہ لہجے میں حکم صادر کیا۔ "بس سلطان سے کہو کہ عالمگیر صاحب نے حکم دیا ہے کہ ایک پل۔۔۔ ایک پل کے لیے بھی چھوٹے میر سے اس کی نظر نہیں ہٹنی

Clubb of Quality Content

چاہیے،"اُس نے ہاتھ سے تنبیہ کرتے ہوئے کہا تھا۔اُس کی بات سن کر وہ شخص سر خم کرتا ہوا کمرے سے چلا گیا۔کمرے کا دروازہ ایک بار پھر بند ہوا تو وہ دوبارہ تنہارہ گیا۔

پھر وہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا آتش دان کے قریب آیا۔ شعلوں کی نارنجی تپش اب اُس کے چہرے کو چھو رہی تھی، جہاں انتقام اور نفرت واضح تھیں۔اُس کے جبڑے بھینچے ہوئے تھے اور وہ محوِ فکر تھا۔ "بس اب تمہارا وقت ختم! اب اور کسی کو میں قربان نہیں ہونے دوں گا،"اُس نے اپنی بھوری آنکھوں سے دہکتی آگ کو دیکھتے ہوئے، گویا خود سے عہد کیا تھا۔اُس کی آنکھوں میں لکڑیوں سے زیادہ تیز آگ لگی ہوئی تھی، کوئی پرانا حساب تھا جو وہ برابر کرنے کے لیے بے چین تھا۔اُس کے ماتھے پر طیش کے مارے سلوٹیں نمودار ہوآئیں۔

تاریخ گواہ ہے، داستانیں بدل جاتی ہیں، مگر عالمگیر نام والے ویسے ہی رہتے ہیں، سارے ایک سے اپنے وعدوں سے نہیں مکرنے والے۔اُس کے ارادے واضح کر رہے تھے کہ کسی پر سکون گھر میں بہت جلد طوفان اٹھنے والا ہے، جس کی لپیٹ میں کئی زندگیاں آنے کو تھیں۔

*****

جامعہ کے بعام خانے میں رونق عروج پر تھی، وہ لوگ بھی کونے میں نشست پر بیٹھے تھے جہاں میرب کی ضد نے ماحول کو خاصا مصروف بنا رکھا تھا۔ وہ اپنے دونوں ہاتھ گال پر ٹکا کر منت بھری نظروں سے امائرہ کو دیکھ رہی تھی۔ "یار! پلیز چلتے ہیں نا، بہت دل کر رہا ہے میرا،" میرب نے ایک بار پھر اپنی بات دہرائی، جو وہ پچھلے ایک گھنٹے سے امائرہ کو بول رہی تھی۔ امائرہ نے اپنے سامنے کھلی کتاب سے نظریں اٹھائیں اور ایک طویل سانس لیتے ہوئے اپنے قلم کو نشست پر رکھا۔ "بات کو سمجھو نا گڑیا! (امائرہ اِسے پیار سے گڑیا ہی کہتی تھی، آخر بچپن کی دوست تھی اِس کی، اور امائرہ نے ہمیشہ اِس کو اپنی بہن سمجھا تھا) اگلے ہفتے فائنلز ہیں اور اوپر سے پروجیکٹس بھی سر پہ ہیں۔۔ میں کہہ رہی ہوں نا پھر چلے جائیں گے،" امائرہ نے اِسے سمجھاتے ہوئے کہا، جبکہ وہ منہ بنا گئی۔ میرب نے خفگی سے اپنے بازو سینے پر باندھ لیے اور رخ دوسری طرف موڑ لیا۔

"ہیلو حسیناؤ!" پیچھے سے آتا شجاع ان کے ساتھ والی کرسی سنبھالتا بولا تھا۔ اُس نے ہمیشہ کی طرح اپنی روایتی مسکراہٹ کے ساتھ بستہ نشست پر ٹکا دیا۔ اِس کے ٹھیک پیچھے فیروز بھی ساتھ نمودار ہوا، جس کی نظریں فوراً امائرہ پر ٹھہریں۔

شجاع کا یہ بے تکلف انداز فیروز کو ایک آنکھ نہ بھایا، اُس نے بھنویں اچکا کر شجاع کو دیکھا۔ "او بھائی! ذرا دھیان سے ہاں، اب ان میں سے ایک میری منگیتر ہے۔" فیروز نے چشمہ اتارتے، اِس کے شانے کو دباتے، جتانے والے انداز میں کہا، تو وہ دونوں ہاتھ اوپر کرتا، ہار مانتا چپ کر گیا تھا۔ جہاں فیروز اور امائرہ کی منگنی کے بعد کائنات بدل چکی تھی، وہیں میرب کو اپنی فرمائش ادھوری رہ جانے کا دکھ کھائے جا رہا تھا۔ وہ چڑ کر اپنی جگہ سے کھڑی ہوئی۔ "لو بھائی! ادھر تو کسی کو میری فکر ہی نہیں ہے۔۔ سب اپنے مسئلے لیے بیٹھے ہیں،" میرب ناراضگی ظاہر کرتی اٹھی اور وہاں سے چل دی۔ اُس نے اپنے پیر پٹختے ہوئے راہداری کی طرف قدم بڑھا دیے۔

شجاع اور فیروز جو ابھی اپنی ہی چھیڑ چھاڑ میں مگن تھے، میرب کے اچانک اِس تیور پر دنگ رہ گئے۔ "اس کو کیا ہوا؟" میرب کے غصے پہ وہ دونوں یک زبان ہوتے امائرہ سے پوچھنے لگے۔ دونوں کے چہروں پر حیرت کے تاثرات ابھرے اور وہ الجھن کا شکار نظر آنے لگے تھے کہ آخر کس بات پر وہ اتنے طیش میں آگئی۔

امائرہ نے اپنے سامنے دھرے بلوریں ظرف کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ "محترمہ کو ہم سب کے ساتھ سوات جانا ہے، جبکہ میں نے کہا کہ ابھی پیپرز ہیں تو بعد میں چلیں گے۔۔۔ اسی بات پہ

Clubb of Quality Content!

میڈم ناراض ہو رہی ہیں،" امائرہ نے نشست سے شربت کا قدح اٹھاتے ہوئے بتایا تو شجاع اور فیروز نے ایک دوسرے کو دیکھا، وہ میرب کی اِس ضدی طبیعت سے پہلے ہی واقف تھے، وہ تب تک نہیں ماننے والی تھی اب جب تک اپنی بات نا منوا لیتی۔" اور پھر اس کی سالگرہ بھی تو آ رہی ہے نا، تو میں سوچ رہی تھی کہ اسے یہی سرپرائز دوں گی، لیکن اب اسے کون سمجھائے؟" شربت کا گھونٹ بھرتی وہ مزید بولی، جبکہ میرب ٹہلتی ٹہلتی شعبے کی طرف جا رہی تھی۔اِس کے قدموں کی تیزی اِس کے غصے کی گواہی دے رہی تھی۔

"اچھا کوئی نہیں!" شجاع نے چہکتے ہوئے امائرہ کو دلاسہ دیا اور پھر مزید بولا، "ٹینشن نہ لو، میں ابھی اسے منا لوں گا،" کہتا وہ اٹھا اور میرب کے پیچھے چل دیا۔اپنا بستہ ایک کندھے پر ٹکاتے وہ راہداری کی طرف لپکا تھا۔اِس پہ تسلی بھری نظر ڈالتی، امائرہ اب فیروز سے باتیں کرنے لگی، کیونکہ وہ جانتی تھی شجاع میرب کو منا لے گا۔ان دونوں کا یہ تال میل ہی ایسا تھا کہ میرب کا غصہ شجاع کے سامنے زیادہ دیر ٹک نہیں پاتا تھا۔

"میرب! میرب!" شجاع کب سے اِس کے پیچھے چلتا آوازیں لگا رہا تھا اور وہ تھی کہ بہری بنی اور تیز تیز قدم اٹھا رہی تھی۔اِس کے طویل پیرہن کا گھیر، ہوا میں لہرا رہا تھا، وہ جان بوجھ کر اپنی

رفتار بڑھا رہی تھی، پھر جو شخص خود آپ کے پیچھے آتا ہو، آپ اِسے اور دوڑاتے ہیں، یہ انسان کی فطرت ہے۔

جب وہ دیدہ دلیر ایک پل کے لیے بھی نہ رکا، تو میرب تنگ ہو کر رکی اور پلٹ کر غصے سے بولی، "کیا ہے؟ پیچھا کیوں نہیں چھوڑ دیتے میرا؟" اس کے نتھنے غصے سے پھول رہے تھے، وہ اپنی بڑی بڑی آنکھیں پھیلائے شجاع کو گھور رہی تھی۔

شجاع نے اپنے دونوں ہاتھ سینے پر رکھے اور ایک طویل سانس لیا۔ "کیا ہو گیا ہے یار؟ کس بات کا غصہ ہے جو مجھ بیچارے پہ نکال رہی ہو؟" شجاع معصوم شکل بناتے ہوئے بولا اور پھر اپنے پھولے سانس کو بحال کرتے ہوئے کہنے لگا، "اچھا بتاؤ! کیا لو گی ماننے کا؟" اس نے جملہ مکمل کیا ہی تھا کہ میرب نخرے دکھاتی رخ پھیر گئی۔ اس نے اپنی ٹھوڑی کو ایک جھٹکے سے دوسری طرف موڑ لیا تھا، جبکہ اس کے چہرے کی سختی آہستہ آہستہ پگھل رہی تھی، جس کا شجاع کو بخوبی اندازہ تھا۔

شجاع، جو اِس کی ہر عادت سے واقف تھا، اِس کے سامنے آتا، اپنی سبز آنکھوں سے اِس کے چہرے کو دیکھتا، پوچھنے لگا، "سچی! کچھ نہیں چاہیے؟" اُس نے اپنی نظریں میرب کے چہرے پر

ٹکائیں، لیکن میرب نے ضدی بچوں کی طرح اپنے لب سی لیے۔ "ٹھیک ہے! میں تو سوچ رہا تھا تم مان جاؤ تو پیپرز کے بعد سوات کیا، ہنزہ بھی چلیں گے۔" جب میرب کچھ نہ بولی تو وہ آنکھیں مٹکاتا، دانستہ طور پر اپنے قدم آگے بڑھاتا جانے کا سوانگ رچانے لگا۔

جبکہ سوات کے ساتھ ہنزہ کا نام سن کر میرب کے صبر کا بند پل بھر میں ٹوٹ گیا۔ آخری لفظ کہتا وہ قدم بڑھانے ہی لگا تھا کہ میرب ہونٹ دانتوں میں دباتی، ایک اور پل کی دیر نہ کرتی بولی، "بس میری فیورٹ آئسکریم کھلا دو، میں مان جاؤں گی۔" اس نے بچوں کی طرح اپنے دونوں ہاتھ جوڑے اور منت بھری نظروں سے اسے دیکھا، ہنزہ کے لائحۂ عمل سے پہلے وہ اِس ٹھنڈی رشوت کو ہاتھ سے نہیں جانے دینا چاہتی تھی۔

شجاع نے بے ساختہ قہقہہ لگایا اور چٹکی بجاتے ہوئے مڑا۔ "اوکے! بلکہ ان دونوں عاشقوں کو بھی لے چلتے ہیں،" اُس نے امائرہ اور فیروز کی طرف بھی اشارہ کیا تھا۔ وہ دونوں اب بھی باتوں میں مگن تھے، جانے بولتے کیا تھے؟ ان کی باتیں ختم ہی نہیں ہوتی تھیں۔ اور پھر ہمیشہ کی طرح میرب اپنی ناراضگی بھلائے، اپنے تین رفقا کے ساتھ قہوہ رنگ یخ بستہ شیرینی نوش کرتی، سب بھول گئی تھی۔ طعام خانے کی ایک نشست کے گرد بیٹھے ان چاروں کے قہقہے ایک بار پھر فضا میں

گونجنے لگے، جہاں یخ بستہ شیرینی کے ہر نوالے کے ساتھ میرب کا غصہ پگھلتا جارہا تھااور شجاع اِسے دیکھ کر مسلسل مسکرارہا تھا۔

حسین، شادمان اور زیست سے بھرپور لوگوں کے لیے تقدیر جو اداس فلسفہ لکھ رہی تھی وہ ان دلوں کی پہنچ سے دور تھا۔ ہمیشہ دوسروں کی سن کر چلنے والے انسان اپنی زندگی کے اکثر حسین لمحے گزار نہیں پاتے۔ وہ اپنوں کی خوشی اور زمانے کے فیصلوں کے بوجھ تلے اپنی ذات کو اِس طرح دفن کر دیتے ہیں کہ جب تک انہیں احساس ہوتا ہے، وقت ریت کی طرح ہاتھوں سے پھسل چکا ہوتا ہے۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

*****

دارالحکومت کی ایک معروف شاہراہ پہ بنی آٹھ منزلہ "عالمگیر کمپنیز" کی عمارت میں اِس وقت ہر طرف ہلچل مچی ہوئی تھی۔ دفتری عملہ فائلوں کو سمیٹنے اور فائلوں کی ترتیب درست کرنے میں مصروف تھا۔ "چلو! چلو! سب سیٹ رکھنا، عالمگیر صاحب بس آتے ہی ہوں گے۔ پتا ہے نا آج

ان کا یہاں پہلا دن ہے۔۔ کچھ گڑبڑ نہیں ہونی چاہیے،" ناظم کب سے ادھر ادھر دوڑتا سب کو ہدایت دے رہا تھا۔اِس کے ماتھے پر ابھرا پسینہ اور اکھڑی سانسیں اِس کے اندر کے تناؤ اور رعب کو صاف بیاں کر رہی تھیں۔

تبھی بے تار پیغامات کے آلے پر ایک سر سراہٹ ابھری اور محافظ چوکنا ہو گئے۔" صاحب آ گئے ہیں!" مرکزی دروازے پہ کھڑے محافظ نے سب کو مطلع کیا، تو سب اپنی اپنی جگہ سنبھالتے ساکت کھڑے ہو گئے۔ پورے دالان میں سکوت چھا گیا، ملازمین سانسیں روکے دروازے کی طرف تکنے لگے تھے۔

عمارت کے چمکتے ہوئے شیشوں کے پار کا منظر بدل چکا تھا۔ باہر ایک ساتھ کئی سیاہ کاریں آ کر رکیں اور وہ اپنی پسندیدہ بیش قیمت کار سے ایک ادا سے نکلا۔اِس کا ہر قدم زمین پر ایک دھاک بٹھا رہا تھا، سیاہ لبادہ پہنے، اپنی بھوری آنکھوں کو سیاہ عینک میں قید کیے، بالوں کو دائیں ہاتھ سے ہٹاتا وہ بااعتماد قدم اٹھاتا اندر داخل ہوا، اور ہر کھڑے شخص نے اِسے سلام پیش کیا، جسے اُس نے پیشہ ورانہ مسکراہٹ سے قبول کیا۔اِس کے چہرے کا سخت تاثر ایک پل کو بدلا تھا، مسکراتے ہوئے اِس کے بائیں گال کا چاہِ ذقن اِس کی شخصیت میں تازگی بھر دیتا تھا۔اِس کے قدم سے قدم

ملاتا، گندمی رنگت والا سلطان، سیاہ ملبوسِ فاخرہ پہنے، جس کی چال میں عزم نمایاں رہتا تھا،اِس کے ہمراہ سائے کی طرح چل رہا تھا۔ سلطان کی عقاب جیسی ہوشیار نظریں چاروں طرف کا جائزہ لے رہی تھیں۔ عالی شان مکتّب کا ماحول پر سکون اور انتہائی پر وقار تھا۔ عالمگیر اپنی مخصوص متین چال کے ساتھ اپنے چمڑے کی گھومنے والی آرام دہ مسند کی طرف بڑھا اور اپنے چشمے کو اتار کر میز پر رکھا۔ "ہاں جی سلطان! کیا اپڈیٹس ہیں؟" آفس میں داخل ہوتے ہی اس نے کوٹ کے بٹن کھولتے ہوئے سلطان سے پوچھا، جو اِس کے پیچھے ہی کمرے میں داخل ہوا تھا، (واحد سلطان تھا جسے اِس کی اجازت تھی)۔ سلطان نے دروازہ بند کیا اور ایک قدم آگے بڑھا، اِس کے ہاتھ میں ایک مسودہ تھا جسے اُس نے نہایت احتیاط سے سنبھال رکھا تھا۔

"بھائی! (بھائی کہنے کا حق بھی صرف اسے ہی تھا)۔۔۔انفارمیشن کے مطابق پچھلے پانچ چھ سالوں سے وہ یہ بزنس کر رہے ہیں، لیکن آپ کا شک درست تھا، انہیں کوئی خاص فائدہ نہیں ہو رہا، بینک سے لونز اور مختلف فنڈز لے کر وہ لوگ کام کر رہے ہیں۔۔ جیسے ان کے پاس مستقبل میں اس سب کو لوٹانے کے لیے کوئی پلان ہے،" سلطان نے لمحے بھر کا توقف کیا، "اور ہاں!

اس گھر کے علاوہ ان کی ذاتی اور کوئی پراپرٹی نہیں ہے۔" سلطان نے روداد کا مسودہ پیشِ مسند پھیلایا اور فکر مند نظروں سے عالمگیر کے بدلتے تاثرات کا جائزہ لینے لگا۔

عالمگیر نے طویل سانس لیا اور مسند کی پشت سے ٹیک لگا لی۔اِس کی بھوری آنکھوں میں سرد چمک ابھری تھی۔ "ٹھیک ہے! لیکن پتا کرو آخر اتنے بڑے پیمانے پہ دوبارہ انہوں نے یہ سب کیسے شروع کیا؟" سلطان پر نظریں گاڑتے ہوئے اِس نے اِسے آگے کا حکم دیا تھا۔ حکم دینے کے فوراً بعد ہی وہ مزید پوچھنے لگا تھا۔ "تم سمجھ رہے ہو نا؟ مجھے اس سب کی جڑ تک پہنچنا ہے۔" اِس کے لہجے کی سختی اور چہرے پر ابھرتی سنجیدگی اِس بات کی گواہی دے رہی تھی کہ یہ معاملہ محض کسی کاروبار کا نہیں، بلکہ کچھ اور پرانے حساب کا تھا۔

سلطان نے سر تسلیم خم کیا۔ "جی بھائی! جیسا آپ کہیں، میں کام کر رہا ہوں،" اِس کے لہجے کا یہ یقین عالمگیر کے لیے سب سے بڑا سہارا تھا۔ درحقیقت، سلطان وہ شخص تھا جس نے پچھلے آٹھ سالوں سے اِسے کبھی اکیلا نہیں چھوڑا تھا، اور پھر جو آپ کے برے وقت میں آپ کا ساتھ دے، وہ آپ کے خون کا نہ بھی ہو تو آپ کا جگری بھائی بن جاتا ہے۔ان دونوں کا یہ رشتہ دنیا کے تمام

Clubb of Quality Content

رشتوں سے بڑھ کر مخلص اور مضبوط تھا، جہاں لفظوں کے بغیر بھی ایک دوسرے کا درد اور مقصد بخوبی سمجھ آجاتا تھا۔

*****

کار جیسے ہی فیروز کے آبائی گھر کے پروقار ڈیوڑھی میں آکر رکی، امائرہ کے دل کی دھڑکنیں تیز ہونے لگیں۔ اُس نے اپنے کپکپاتے ہاتھوں سے دوپٹے کا پلو سنبھالا اور فیروز کے چہرے کو دیکھا۔

"تمہیں یقین ہے کہ وہ مان گئے ہیں؟" امائرہ نے منزل پہ پہنچ کر گاڑی سے اترتے ہوئے، ایک بار پھر وہی سوال دہرایا، تو فیروز اس کے دونوں ہاتھ تھامتا بولا، "اب تو تم نے بھی ان کی بات مان لی ہے، اور پھر اپنے بیٹے سے وہ کب تک ناراض رہتے؟" فیروز نے اس کی انگلیوں کو ہلکے سے دبا کر اسے حوصلہ دیتی اس کے چہرے کا خوف دور کرنا چاہا۔ اس کے کہنے پہ امائرہ نے سمجھتے ہوئے سر ہلایا، تو وہ مسکرا دیا اور پھر اِس کے ہمراہ اندر داخل ہوا۔ ان کے قدم جیسے ہی عالی شان نشست گاہ میں پڑے، وہاں کا بدلا ہوا ماحول دیکھ کر دونوں حیران رہ گئے۔

"واہ ماما! آپ نے تو بڑی تیاری کر رکھی ہے،" فیروز نے اطراف میں لگے خوبصورت پھولوں کو دیکھتے ہوئے تاج سے کہا تھا۔ پورے دالان کو سفید اور گلابی پھولوں سے انتہائی نفاست سے سجایا گیا تھا، جس کی دلفریب خوشبو ہر طرف پھیلی ہوئی تھی۔ تاج کے چہرے پر ممتا بھری مسکراہٹ ابھری تھی۔ "کیوں نہ کرتی؟ امائرہ پہلی دفعہ اس خاندان کی بہو کے طور پہ آ رہی تھی،" وہ امائرہ کے گلے لگتیں اور اِسے پیار دیتی ہوئی بولیں تھیں، "اتنا تو بنتا تھا۔" انہوں نے اب فیروز کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرا اور اِسے اپنے سینے سے لگا لیا۔

ان کے اِس رویے پہ امائرہ نے فیروز کی جانب مطمئن ہوتے دیکھا تھا۔ "لگتا ہے ساسو ماں مان گئی ہیں۔" اِس کی گندمی آنکھوں میں خوشی اور سکون نے گھر کیا تھا، اور فیروز نے بھی جواباً مسکرا کر ابرو اچکائی تھی۔ آنکھوں ہی آنکھوں میں بات ہوئی تھی دونوں کی۔

کچھ دیر باہم گفتگو کے بعد سب بعام کی نشست پہ بیٹھے کھانا کھا رہے تھے، جب میر حسن امائرہ کو مخاطب کر کے کہنے لگے، "بیٹا! میں تو کہتا ہوں اب آپ ادھر ہی شفٹ ہو جاؤ، آخر تمہارے چچا کا گھر ہے، اور اب تو تم ہماری ہی امانت ہو۔" میر حسن نے اپنے چہرے پر سنجیدہ مگر مخلصانہ تاثرات سجاتے ہوئے پانی کا قدح اٹھایا اور بڑی محبت سے امائرہ کو دیکھا۔ ان کے اِس اچانک

مشورے نے بعام کی نشست پر ایک پل کے لیے سب کو متوجہ کر دیا تھا، جبکہ امائرہ فیروز کی طرف دیکھنے لگی کہ اِس بات کا کیا جواب دے۔ "نہیں انکل! آپ کو تو پتہ ہے مام ڈیڈ کے بعد مجھے اکیلے رہنے کی عادت ہو گئی ہے،" اِس نے چہرے پہ مسکراہٹ سجائے جواب دیا۔اِس کے لہجے کی نرمی اور انکار کا یہ سلیقہ میر حسن کو مطمئن کر گیا تھا، وہ اچھی بہو بننے والی تھی۔ جبکہ تاج نے بھی تفہیم بھرے انداز میں سر ہلایا۔

"ہاں بالکل! ڈیڈ، ویسے بھی ایک سال کی تو بات ہے، پھر رخصت ہو کر اس نے ادھر ہی آنا ہے،" فیروز نے اِس کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے کہا تھا، اور ساتھ ہی اپنے والد کی طرف دیکھا تھا۔

"ٹھیک ہے بیٹا! جیسے تم لوگوں کو ٹھیک لگے۔۔۔ ویسے بھی تم نے ہماری بات مان کے ہمارا بھرم رکھا ہے تو ہم بھی تمہارا رکھیں گے،" انہوں نے ہمیشہ کی طرح ایک بار پھر امائرہ کو یاد کروایا کہ وہ بھی اِس کے اپنے ہی ہیں۔

"نہیں! اب ایسا بھی نہیں ہے۔۔۔ اتنی بڑی بات تھوڑی تھی، میں بس پاکستان سے ہی ایم فل کر لوں گی، یہاں بھی تو اچھی یونیورسٹیز ہیں اور فیروز ساتھ ہو گا تو کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے،" آخر

میں کہتی وہ فیروز کو دیکھنے لگی، جس پہ وہ مسکرا دیا۔ امائرہ نے اپنی گندمی آنکھوں میں محبت لیے فیروز کو دیکھا تھا، جس نے اِس کی خاطر اپنے والدین کو منایا تھا اور خود اِس کا سایہ بننے کا وعدہ کیا تھا۔

پورا دالان اِس وقت پر سکون، خوشحال اور خاندانی ماحول کا منظر پیش کر رہا تھا، جہاں مستقبل کے حسین خواب بنے جا رہے تھے۔ لیکن یہ اتنی سی بات زندگی کو کتنا بدل دے گی، یہ کون جانتا تھا۔ وہ معصوم دل اِس حقیقت سے بالکل بے خبر تھے کہ سوات اور ہنزہ جانے کے خواب، پاکستان میں ایم فل کرنے کا فیصلہ، اور عالمگیر نامی طوفان کا اسلام آباد میں قدم رکھنا۔۔۔ اِن سب کا تانا بانا تقدیر کے ایسے ہولناک کھیل سے جڑ رہا تھا، جہاں معافی کا کوئی وجود نہیں تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

*****

کھانے کے بعد فضا میں پھیلی خنکی نے انہیں باہر سبزہ زار کی طرف کھینچ لیا، جہاں ٹھنڈی ہوا کے جھونکے روح کو تازگی بخش رہے تھے۔ وہ دونوں اب سبزہ زار میں ٹہلتے سیاہ گرم مشروب نوش کر رہے تھے، جب فیروز نے امائرہ کی طرف مڑتے ہوئے پوچھا، "تو اب بتاؤ! کیا چاہیے

تمھیں؟" یہ کہتا وہ دو قدم آگے چلتا، اِس کی جانب دیکھتا، مسکرانے لگا۔ سفالیں ظرف سے اٹھتی بھاپ ان کے چہروں کو چھو رہی تھی، فیروز کی آنکھوں میں محبت کا سمندر موجزن تھا۔

امائرہ نے اپنے ظرف کو دونوں ہاتھوں سے تھاما اور چہرے کو اوپر اٹھالیا، جہاں سیاہ بادل ایک بار پھر امڈ رہے تھے۔ "مجھے کچھ نہیں چاہیے۔۔۔ میرے لیے یہ خیال ہی کافی ہے کہ امائرہ حسین فائنلی امائرہ فیروز حسن ہونے والی ہے،" اِس نے آسمان کی جانب بند آنکھوں سے دیکھتے ہوئے، مشکور لہجے میں کہا تھا۔ "اچھا جی! پھر نہ کہنا کہ میں نے شرط پوری نہیں کی،" فیروز نے کافی کا سپ لیتے ہوئے کہا، تو امائرہ شریر انداز میں کہنے لگی،" اگر ایسا ہے تو دیکھو! آسمان برسنے والا ہے، تو کیوں نہ اس دلکش موسم میں تم ایک بار پھر مجھے پروپوز کرو؟" اپنی بات مکمل کرتی وہ مسکراہٹ سجائے اِسے دیکھنے لگی۔ اِس کی گندمی آنکھوں کی شرارت نے فیروز کے اندر کے عاشق کو بیدار کر دیا تھا۔

اُس نے ایک پل کی بھی تاخیر گوارا نہ کی۔ مگ ساتھ پڑی ٹیبل پہ رکھتا، اِس کے عین سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھتا کہنے لگا، "میں فیروز حسن نامی ایک درویش سا بندہ، اپنی زندگی کو حسین بنانے کے لیے ایک بار پھر اپنی شہزادی میرہ کے سامنے جھولی پھیلاتا ہوں۔" اِس کا یہ غیر متوقع

انداز دیکھ کر امائرہ کے لبوں پر پھیلی مسکراہٹ مزید وسیع ہو گئی۔اِس کی اِس بات پہ جب وہ کچھ پل خاموش کھڑی مسکراتی رہی، تو وہ اِس کا ہاتھ پکڑتے، دھیمی آواز میں بولا، "ہاں کر دو۔۔۔ کوئی فقیر بھی تمہارا ہاتھ تھامے تو وہ بادشاہ بن جائے۔مجھے بادشاہ بنا دو شہزادی، خود میری رانی بن جاؤ۔"اِس کی انگلیوں کی نرمی فیروز کے مخلص ہاتھ کی گرفت میں تھی،اِس کی تیزی سے اوپر نیچے ہوتی ہوئی سانسیں اِس بات کی گواہی دے رہی تھیں کہ وہ اِس وقت دنیا کی سب سے خوش نصیب لڑکی ہے۔اِس کے یہ تعریف کرنے کی دیر تھی بس۔۔۔ کہ امائرہ کا دل پگھل کر رہ گیا، اُس نے شرماتے ہوئے اپنے چہرے کو جھکایا اور پھر فیروز کے پھیلے ہوئے ہاتھوں کو دیکھا۔ "کیوں نہیں! یہ شہزادی اس درویش کو قبول کرتی ہے،" امائرہ نے ہنستے ہوئے جواب دیا تھا،اور پھر جھکتے ہوئے فیروز نے اِس کے کان میں سرگوشی کرتے ہوئے مزید بولا، "مہربانی آپ کی۔" اِس کے لہجے کی تپش امائرہ کے رگ وپے میں اتر گئی تھی۔اِس کے کھلکھلانے کی آواز پورے لان میں بکھر گئی جبکہ فیروز محبت پاش نظروں سے اپنے اِس حاصل کو تکنے لگا۔

ابھی دونوں باتیں کر ہی رہے تھے کہ آسمان سے باراں برسنے لگی۔ بوندیں جیسے ہی ان کے چہروں پر گریں، ماحول کا سحر مزید گہرا ہو گیا، مٹی کی سوندھی خوشبو ایک بار پھر بیدار ہوئی اور

Clubb of Quality Content

لان کے پھول بارش کے پانی سے دھل کر چمکنے لگے۔ وہ دونوں اِس برستی رم جھم میں کھڑے ایک دوسرے کے سائے میں خود کو محفوظ محسوس کر رہے تھے۔

کائنات کا یہ تبسم آمیز انداز اپنے اندر بہت سے راز چھپائے ہوئے تھا۔ اب یہ خوشی کے آنسو تھے یا ملال کے، اِس سے تو ہر کوئی انجان تھا۔ وہ معصوم دل یہ نہیں جانتے تھے کہ یہ برستی ہوئی بوندیں اُن کے لیے آنے والے بھیانک طوفان کا پیش خیمہ ہیں، جہاں یہی ہنسی اور خوشی ایک دن پچھتاوے اور تڑپ کے آنسو بن کر بہنے والی تھی۔

*****

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

کوریڈور کی گہما گہمی سے دُور، شعبے کے ایک پُرسکون گوشے میں ان چاروں کی سرگوشیاں جاری تھیں۔ وہ سب دیر وقت سے سر اویس کے دفتر کے دروازے کے ساتھ کھڑے بحث میں مصروف تھے۔ کوئی بھی پروفیسر کے کمرے میں قدم رکھنے کا حوصلہ نہیں پا رہا تھا۔ "یار نہیں! ہر بار میں ہی کیوں؟" امائرہ نے بے بسی سے اپنے تینوں دوستوں کو دیکھتے ہوئے کہا، جو دیر سے

اس کی منتیں کر رہے تھے کہ وہ جا کر سر سے بات کرے۔اس نے اپنے بیگ کی پٹی کو مضبوطی سے تھام رکھا تھا،اور اس کے چہرے پر صاف انکار کے تاثرات ابھر رہے تھے۔

"نہیں! بالکل نہیں۔۔۔اس بار میں نہیں جاؤں گی،" امائرہ نے ہاتھ باندھے ابھی یہ الفاظ کہے ہی تھے کہ شجاع نے اسے ہر بار کی طرح ایک بار پھر دھکا دیا،دروازہ کھلا تھا اور وہ اندر سیدھی جاتی ہوئی اویس کی میز سے جا لگی۔ لیکن اس نے بھی اٹھنے میں دیر نہیں کی جہاں ایک پل کو وہ ٹکرائی تو دوسرے ہی لمحے پھرتی سے میز سے اٹھ کر سیدھی ہوئی اور خود کو سنبھالنے کی کوشش کرنے لگی۔ اس کے اونچی ایڑی والے جوتے فرش پر چرچراہٹ پیدا کر گئے تھے، اور وہ بری طرح جھینپ گئی تھی۔ سر اویس جو کسی فائل پر جھکے کسی سوچ میں گم تھے،اس اچانک خلل پر چونک اٹھے۔اس اچانک آمد پر اویس نے اپنے چشمے سے امائرہ کو سر سے پیر تک گھورا تھا۔ان کی سخت اور تیکھی نظروں نے امائرہ کے اڑتے ہوئے ہوش مزید فاختہ کر دیے۔

"منحوس کہیں کا! اب ملے تو ذرا مجھے،" وہ دل میں شجاع کو کوستی، مجبوراً چہرے پر مسکراہٹ سجائے، اپنا گلا صاف کرتی بولی،"سوری سر! وہ اصل میں۔۔۔ می۔۔۔" مارے شرمندگی کے اس کی زبان جملہ پورا نہیں کر پا رہی تھی۔اس کے ماتھے پر عرقِ انفعال کے قطرے ابھر آئے

تھے اور وہ بے بسی سے اپنے دوپٹے کے پلو کو انگلیوں میں جکڑ رہی تھی، دوسری طرف وہ تینوں دروازے سے کان لگائے بیٹھے تھے۔ شجاع، میرب اور فیروز دروازے کی باریک درز سے اندر کا احوال جاننے کے لیے ایک دوسرے کے اوپر جھکے سانسیں روکے کھڑے تھے، اور دل ہی دل میں دعا کر رہے تھے کہ سر اویس کا غصہ امائرہ پر زیادہ نہ برسے۔

سر اویس نے اپنے ہاتھ میں پکڑے قلم کو میز پر رکھا اور ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔ ان کے چہرے کے سخت زاویے امائرہ کے اعصاب پر سوار ہو رہے تھے۔ "اب آپ بولیں گی بھی کہ کیا بات ہے؟ یا یونہی اپنی انگلیاں مروڑتی رہیں گی؟" انہوں نے اس کے ہاتھوں کو دیکھتے ہوئے کہا تھا، جن سے وہ کب سے مضطرب ہوتی کھیل رہی تھی۔ سر کی بات سن کر امائرہ نے جلدی سے اپنے دونوں ہاتھ پیچھے چھپائے اور ایک لمبا سانس لے کر اپنے لہجے کو جتنا ممکن ہو سکے پر اعتماد بنانے کی کوشش کی۔

"جی سر! وہ اصل میں، آپ کو پتا ہی ہو گا پچھلے ہفتے میری منگنی تھی،" اُس نے ہمت کرتے ہوئے کہنا شروع کیا، لیکن اگلے ہی لمحے وہ اُسے ٹوکتے ہوئے بولے، "جی تو میں کیا کروں؟" سر اویس

کے اِس سپاٹ اور دوٹوک جواب پر امائرہ کا چہرہ ایک پل کے لیے زرد پڑ گیا، لیکن اب پیچھے ہٹنے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔

اُن کی اِس تحقیر کو بالائے طاق رکھتی، اُس نے کہنا شروع کیا، "تو وہ سر! یہ کہ ہم چاروں کو پروجیکٹ کے لیے دو چار دن کا اور ٹائم چاہیے، پلیز۔" بات ختم کرتی وہ اب اپنے خشک ہوتے ہونٹ پر زبان پھیر رہی تھی۔اس کی گندمی آنکھیں التجا بھری نظروں سے پروفیسر کے چہرے کا طواف کر رہی تھیں کہ شاید اب ان کا دل پگھل جائے۔

سر اویس نے ایک سرد آہ بھری اور اپنی فائل سمیٹی۔ "ٹھیک ہے،" وہ ٹھنڈے لہجے میں کہتے ہوئے،اُس پر سرد نگاہ ڈالتے ہوئے باہر کی جانب بڑھے، لیکن جب ان تینوں کو کان لگائے دیکھا، تو یہ کہتے ہوئے، "چار دن نہیں، بس دو دن مزید ہیں آپ لوگوں کے پاس،" اُنہیں گھورتے ہوئے وہاں سے چلے گئے۔ان کا رعب دار وجود جیسے ہی کوریڈور کے موڑ پر غائب ہوا، دروازے کے پیچھے دبکے شجاع، میرب اور فیروز نے سکھ کا سانس لیا، لیکن ان کی یہ راحت بہت مختصر ثابت ہونے والی تھی۔

Clubb of Quality Content

ان کے جانے کی دیر تھی کہ امائرہ غیظ و غضب میں شجاع کی پیٹھ پر اپنا بیگ مارتی چیخی، "تم لوگ تو آج میرے ہاتھوں سے بچ کے دکھاؤ ذرا!" اس کے نتھنے غصے سے سرخ ہو رہے تھے اور اس نے اپنے جوتوں کی پرواکیے بغیر کوریڈور میں دوڑ لگادی۔ پھر کیا تھا، اگلے پندرہ منٹ تک وہ تینوں اس کے آگے بھاگ رہے تھے اور وہ ان کے پیچھے پیچھے۔ یونیورسٹی کا دالان اُن کے قہقہوں، چیخوں اور بھاگنے کی دھپ دھپ سے گونج اٹھا تھا۔ اِس منظر سے لطف اندوز ہونے والے طلبہ بھی مسکرا کر سائیڈ پر ہو رہے تھے۔

"اچھا یار! اب تو کام ہو گیا ہے نا،" فیروز جب تھک گیا تو رک کر، امائرہ کو کام ڈاؤن کرنے کی ناکام کوشش کرنے لگا۔ اُس کا سانس بری طرح پھولا ہوا تھا، وہ اپنے دونوں ہاتھ گھٹنوں پر ٹکا کر ہنستے ہوئے امائرہ کے سامنے ڈھال بن کر کھڑا ہو گیا تھا تاکہ شجاع اور میرب کو بھاگنے کا مزید موقع مل سکے۔

امائرہ نے اپنے کندھے سے بیگ اتارا اور دالان کے کونے میں لگی لکڑی کی نشست کی طرف بڑھی۔ "اچھا جی! کام تو ہو گیا، لیکن ایک تم لوگوں کی وجہ سے سر نے کم ٹائم دیا اور جو مجھے شرمندگی ہوئی، اس کا کیا؟" وہ ساتھ والے بینچ پر بیٹھتی، اپنا سانس بحال کرتی بولی، جبکہ میرب

نا ولز کلب
Clubb of Quality Content

اور شجاع اپنی کمر پر ہاتھ رکھتے وہیں رک گئے۔ دونوں کا سانس بری طرح پھولا ہوا تھا، وہ ہنستے ہوئے بینچ کی پشت کا سہارا لے رہے تھے۔

فیروز نے اپنی قمیض کی آستینیں اوپر چڑھائیں اور شجاع کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بڑی ہوشیاری سے خود کو اِس معاملے سے الگ کیا۔ "ٹھیک ہے! دھکا تو شجاع نے دیا تھا نا، تو یہ معافی مانگ لیتا ہے تم سے،" فیروز نے اپنی باری ٹالتے ہوئے کہا، تو میرب بھی اُس کی حامی بھرنے لگی۔ اُس نے بھی گردن ہلا کر فیروز کی بات کی تائید کی، اور پھر سارا قصور صرف شجاع کا ہو گیا تھا۔

شجاع نے بے بسی سے ان دونوں مکاروں کو دیکھا اور اپنی ابرو اچکائی۔ "یہ اچھا ہے بھئی! تم لوگ ہمیشہ مجھے پھنسا دیا کرو،" اپنے بال سنوارتے شجاع نے ان دونوں کو کوستے ہوئے کہا تھا۔ اور پھر ڈرامائی انداز اختیار کرتے ہوئے امائرہ کے بالکل سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔

اُس نے اپنے دونوں کان پکڑ لیے اور چھوٹے بچوں کی طرح جھک گیا۔ لیکن نہایت معصوم شکل بناتے ہوئے، امائرہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولا، "ایم۔۔ سوری!" بس یہ کہنے کی دیر تھی کہ امائرہ

ناول کلب
Clubb of Quality Content

ہاتھ سے نوازش کا اشارہ کرتی ہوئی، ہنستے ہوئے بولی، "جا معاف کیا۔۔۔تو بھی کیا یاد رکھے گا۔"

اُس کے لہجے کی شاہانہ تمکنت پر فیروزا اور میرب کی ہنسی چھوٹ گئی۔

پھر یوں ہوا کہ ،ایک بار پھر، لمحہ پہلے لڑنے والے اب قہقہے لگا رہے تھے۔ان کی یہ نوک جھونک دالان کے در و دیوار میں رس گھول رہی تھی۔یہ ان کی دوستی کا وہ خاص رنگ تھا جو ہر لڑائی کو پل بھر میں محبت میں بدل دیتا تھا۔ان چاروں کا یہ اتحاد یونیورسٹی میں ایک مثال بن چکا تھا، پوری یونیورسٹی جانتی تھی کہ اگر ان میں سے ایک کو چھیڑا تو سمجھو چاروں سے اپنی شامت بلوائی۔ان کی طاقت ان کا یہی پیار اور ایک دوسرے کے لیے کھڑے ہونے کا جذبہ تھا، جس سے ٹکرانے کی ہمت کوئی نہیں کرتا تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

*****

رات کا پچھلا پہر تھا اور عالمگیر کمیڈیز کے مالک کا خلوت خانہ سکوت میں ڈوبا ہوا تھا۔وہ اپنے کتب خانے میں بیٹھا کتاب پڑھ رہا تھا، جب دروازے پر دستک ہوئی۔لکڑی کے بھاری کواڑ پر ہونے

والی یہ تھاپ دھیمی مگر اصرار سے بھرپور تھی۔ "آجاؤ!" اُس نے صفحہ پلٹتے ہوئے کہا، تو سلطان اگلے ہی لمحے اندر داخل ہوا، پر آج اُس کے چہرے پر عجیب سنجیدگی طاری تھی۔ اُس کی پیشانی پر ابھری پسینے کی بوندیں اور ساکت جسم بڑے طوفان کی خبر دے رہے تھے۔

جب کچھ دیر وہ خاموش رہا، تو عالمگیر کتاب سے نظریں ہٹاتا ہوا بولا، "بولو! کیا کہنا چاہتے ہو؟" عالمگیر نے کتاب میز پر رکھی اور اپنی بھوری آنکھیں سلطان کے چہرے پر ٹکا دیں، جہاں چھپا اضطراب اب اُس کے صبر کا امتحان لے رہا تھا۔

سلطان نے لمبا سانس لیا اور اپنے بوجھل لہجے کو یکجا کیا۔ "صاحب!..." سلطان نے صاحب کہا تھا اور عالمگیر اِسی سے سمجھ گیا تھا کہ معاملہ گڑبڑ ہے۔ "پچھلے ہفتے ان کی منگنی ہو گئی ہے، اور وہ بھی چھوٹے میر کے بیٹے سے۔" خبر کتب خانے میں بم کی طرح پھٹی۔ فیروز حسن اور امائرہ کی منگنی کا یہ سچ سن کر عالمگیر کے وجود میں ایک زلزلہ سا آیا۔ سلطان نے بتایا تو اُس نے بامشکل اپنی آنکھوں میں آنے والے کرب کو چھپایا اور بولا، "بس اب اور نہیں سلطان! چھوٹے میر کے ارادے مجھے نیک نہیں لگتے... اب واقعی کچھ کرنا پڑے گا۔" اُس کے جبڑے سختی سے بھینچ گئے تھے، اور اُس کے چہرے پر چھائی سفیدی اُس کی اندرونی ٹوٹ پھوٹ کو واضح کر رہی تھی۔

سلطان نے اپنے ہاتھ سینے پر باندھے اور وفاداری سے سر جھکا دیا۔ "آپ جو حکم کریں بھائی!" اُس کا یہ مانوس لہجہ عالمگیر کو واپس اپنے حواس میں لایا۔

اُس نے اپنی پوروں سے پیشانی کو مسلا اور اپنی نشست بدل لی۔ "ابھی تم جاؤ، میں تمہیں سوچ کر بتاتا ہوں،" اُس نے صوفے کی پشت سے ٹیک لگاتے ہوئے کہا، تو سلطان کمرے سے باہر چلا گیا۔

بھاری دروازہ بند ہوتے ہی اُس نے اپنے دونوں ہاتھ چہرے پر پھیرے اور ایک گہری، پر درد آہ بھری۔ "اِس کے ساتھ کچھ ہوا تو میں خود کو بھی معاف نہیں کر پاؤں گا،" ضبط سے آنکھیں بند کیے، وہ مٹھی بھینچے خود کلامی کرنے لگا۔ اُس کی انگلیوں کے پورے دباؤ کی وجہ سے سفید پڑ رہے تھے اور ماتھے پر ابھرتی شکنیں اُس کے دل میں مچی ہلچل کو بخوبی ظاہر کر رہی تھیں۔ ماضی کا کوئی پچھتاوا اور خوف اِس وقت اُس کے اعصاب کو مروڑ رہا تھا۔

وہ اٹھا اور کھڑکی کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا، جہاں باہر اسلام آباد کی سڑکیں اب بھیگی ہوئی چمک رہی تھیں، اور پھر اُس کے لبوں سے دھیمی، تڑپتی ہوئی آواز برآمد ہوئی:

میں دور ہوں تجھ سے، سبب بھی خود ہی ہوں

پر تیرے وجود سے میں کیوں یوں خوف کھاتا ہوں

*****

پروجیکٹ کی تھکن اب ان کے اعصاب سے اتر رہی تھی، رات کا سکون کمرے میں پھیل چکا تھا۔ آج سارا دن چاروں دوست پروجیکٹ بناتے رہے تھے، اور میرب امائرہ کے پاس ہی رک گئی تھی، ابھی دونوں دوست صوفے پر بیٹھی چائے پی رہی تھیں۔ گرم چائے کے مگ سے اٹھتا ہوا دھواں ان کے درمیان موجود گہری قربت کا گواہ تھا۔ "گڑیا! بتاؤ اس بار کیا چاہیے؟" ہر سال کی طرح امائرہ نے میرب کے بالوں میں پیار سے انگلیاں پھیرتے ہوئے پوچھا، جس پر میرب نے سر اُس کی گود میں رکھتے ہوئے، مسکراتے ہوئے کہا، "کچھ نہیں! میرے لیے تمہارا ساتھ ہی کافی ہے۔" اُس نے امائرہ کے دوپٹے کو اپنی انگلیوں میں جکڑ لیا، "اف! ہر بار کی طرح ڈائیلاگ نہ مارو۔۔۔ سچی بتاؤ کس چیز کی ضرورت ہے؟" امائرہ نے اُس کے ماتھے پر ہاتھ سے ہلکی سی تھپکی

دیتے ہوئے کہا، تو وہ ہنس کر کہنے لگی، "اچھا بابا! نیا موبائل لے دو، یہ والا اب بہت تنگ کرنے لگا ہے۔" میرب نے اپنا پرانا فون دکھایا جس کی سکرین پر ہلکے سے خراشیں آچکی تھیں۔

"ڈن!" امائرہ نے چائے پیتے ہوئے کہا، اُس کے لہجے میں میرب کے لیے کوئی ہچکچاہٹ نہیں تھی۔

"لیکن سنو! اگلی بار تم مجھے کچھ نہیں دو گی،" میرب نے پرسوچ لہجے میں کہا۔ اُس کے چہرے پر اچانک ایک گہرا تاثر ابھرا۔ "کیوں؟" امائرہ نے تجسس سے پوچھا، تو میرب پھر سے سیدھی بیٹھتی، کندھے پر پھیلے بالوں کو کان کے پیچھے کرتی، دھیمی آواز میں بولی، "کیونکہ اگلی بار میں خود تمہیں کچھ دینے کا کہہ دوں گی۔" اُس کے لہجے کا دھیما پن اور پراسرار مسکراہٹ امائرہ کو حیران کر گئی۔ "اور وہ کیا؟" امائرہ نے اگلے ہی لمحے پوچھا، تو وہ ہنستے ہوئے کہنے لگی، "یہ تو میں تب ہی بتاؤں گی۔" اُس نے اپنی دونوں آنکھیں مچکائیں اور نخرے سے رخ موڑ لیا۔ "اچھا جی! جیسا آپ چاہیں،" امائرہ یہ کہتے ہوئے اِسے گلے لگا گئی۔

ان دونوں کا یہ خوبصورت رشتہ کائنات کی سب سے قیمتی نعمت تھا، جہاں کوئی دکھاوا نہیں تھا۔ درحقیقت، یہ دونوں ایک دوسرے کے لیے رب کے انعام سے کم نہیں تھیں۔ ماضی کے

صفحات الٹے جائیں تو میرب ایک یتیم خانے میں پلی بڑھی تھی اور امائرہ سے اُس کی دوستی ایک اکیڈمی میں ہوئی تھی، جس کے بعد سے اُس کی ذمہ داری امائرہ کے والدین نے اٹھالی تھی، اور وہ دن اور آج کا دن، یہ دونوں کبھی ایک دوسرے سے الگ نہیں ہوئیں، اور پھر دس سال پہلے امائرہ کے والدین کی حادثاتی موت نے دونوں کو اور قریب کر دیا تھا۔اِس سانحے نے ان کے بچپن کو پل بھر میں نگل لیا تھا اور دونوں ایک دوسرے کا کل کائنات بن گئی تھیں۔میرب نے اب اپنی ساری ذمہ داری خود اٹھانا شروع کر دی تھی، لیکن امائرہ ہمیشہ اُس کی ہر ضرورت کا خیال رکھتی تھی۔ وہ اُس کے مان کو کبھی ٹوٹنے نہیں دیتی تھی، اور میرب بھی امائرہ کے اِسی مان کے سائے میں خود کو دنیا کی سب سے محفوظ لڑکی سمجھتی تھی۔

*****

کتب خانے کا سکوت اب تناؤ میں بدل چکا تھا، جہاں دیوار پر لگی گھڑی کی ٹک ٹک اُس کے اعصاب پر گراں گزر رہی تھی۔ وہ کب سے پریشانی میں سوچتا ہوا، کمرے میں ادھر سے ادھر چکر کاٹ رہا تھا، لیکن مجال ہے جو ایک لمحے کے لیے بھی بیٹھا ہو، مگر کرتا بھی تو کیا؟ جب سے

سلطان نے اِسے یہ خبر دی تھی، اُس کے تن بدن میں جیسے آگ لگی ہوئی تھی، اور اُسے کسی پل بھی قرار نہیں آرہا تھا۔ اُس کا پورا وجود غصے اور تشویش کی لپیٹ میں تھا، وہ کمرے کی لمبائی کو اپنے بھاری قدموں سے ناپ رہا تھا۔

کچھ لمحات بعد وہ سامنے پڑی کرسی پر بیٹھا اور پھر جیب سے فون نکالتا ہوا، نمبر ملانے لگا۔۔۔ اُس کے ہاتھ کی رگیں اِس طرح ابھری ہوئی تھیں کہ لگتا تھا جلد پانی کی مانند بس ان سے گزر رہی ہے، لیکن یہ ہر بار غصہ آنے پر اُس کا خون یونہی تیز دوڑنے لگتا تھا۔ اُس کی مٹھیاں اِس شدت سے بھینچی ہوئی تھیں کہ پوروں کی رنگت سفید پڑ چکی تھی۔

کال ملتے ہی اپنے اعصاب پر قابو پاتا، ماتھے پر آئے پسینے کو صاف کرتا بولا، "سلطان! اب بہت ہوا، کل تم سارے کام نمٹاؤ اور تیاری پکڑو۔۔۔ پرسوں ہم جائیں گے۔" اُس کے لہجے کا رعب اور گونج دار آواز فون کے دوسرے پار سلطان کو مستعد کرنے کے لیے کافی تھی۔ اُس نے ایک لمبا سانس لیا اور اپنے آخری لفظوں پر زور دیتے ہوئے کہا، "وقت آگیا ہے کہ میں خود اس سے بات کروں۔" کہتے ہی اُس نے فون بند کر دیا، لیکن پھر ایک عمیق سانس لیتے ہوئے سوچنے لگا، "کیا واقعی میں ان کا سامنا کر پاؤں گا؟" یہ ایک دن کا وقت بھی شاید خود کو تیار کرنے کے لیے لیا

تھا۔ اُس کی بھوری آنکھوں میں خوف اور اضطراب کا ایک نیا طوفان مچلنے لگا۔ ماضی کی جو پرچھائیاں وہ پیچھے چھوڑ آیا تھا، اب وہ سب ایک ساتھ اُس کے سامنے صف آرا کھڑی تھیں۔

سوچتے ہی اُسے اپنا سانس گھٹتا محسوس ہوا، تو وہ اپنے پیرہن کے اوپری بٹن کھولنے لگا۔ اُس نے باورچی خانے اور کھڑکی کی طرف دیکھا جہاں اندھیرا پھیل رہا تھا، یہ حبس موسم کا نہیں تھا، یہ گھٹن تو پچھتاوے کی تھی، جو معافی کے سوا کسی چیز سے کم نہیں ہو سکتی تھی۔ ضمیر کے اِس مقتل میں وہ اکیلا کھڑا تھا، جہاں ہر گزرا ہوا لمحہ اُسے اُس کے گزرے وقت، اُس کی گزری یادیں یاد کروا رہا تھا۔ اور اب اُس سے ملنے کی اُس سے معافی مانگنے کی تڑپ اُسے مضطرب کر رہی تھی کہ آخر وہ کب اِس کارِ اذیت سے آزاد ہو گا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

*****

شجاع کب سے اپنی جیپ کے پاس کھڑا اُس کا انتظار کر رہا تھا، جس نے اِسے کہا تھا کہ وہ بس پانچ منٹ میں آ رہی ہے، جبکہ اُس سے بات ہوئے پندرہ منٹ گزر چکے تھے۔ وہ زچ ہو کر جیپ کے میکانکی حصے کے ڈھکن پر ہاتھ مارتا ہوا مڑا۔ اب وہ ہاتھ میں بندھی گھڑی کا وقت دیکھتا ہوا، گیراج

سے اندر کی جانب بڑھنے لگا۔ اُس نے خاکی رنگ کی پتلون زیبِ تن کر رکھی تھی، جس کے ساتھ سفید پیر ہن اُس کی شخصیت کو اور بھی بادعب بنا رہا تھا، اور پھر اُس کی سبز آنکھیں تو ہمیشہ کی طرح دلکش معلوم ہوتی تھیں۔ ان آنکھوں میں اِس وقت جھنجھلاہٹ عیاں تھی۔

وہ نشست گاہ کے چمکتے ہوئے فرش کو پار کرتا ہوا ایوان کے وسط میں آ کھڑا ہوا۔ نشست گاہ میں زینوں کے پاس کھڑے ہوتے ہوئے، وہ اوپر کی جانب دیکھتا ہوا کہنے لگا، "عمیرہ یار! جلدی کرو، ادھر فیروز صاحب نے ساری تیاری کر لی ہو گی اور ایک تم ہو کہ تمہاری تیاری ہی نہیں مک رہی ہے۔" اُس نے اپنے ہاتھ کمر پر ٹکا لیے اور ایک لمبا سانس بھرا۔

اگلے ہی لمحے وہ پہلی سیڑھی اترتی دکھائی دی۔ اُس نے زنک رنگ کا پازیب تک آتا گھیر دار لباس پہن رکھا تھا، جس کے دامن پر قدیم وضع کا زردوزی کام نہایت صفائی سے کیا گیا تھا۔ اُس کے سیاہ بال جو اُس کی کمر تک آتے تھے، آج اور بھی حسین لگ رہے تھے، اور سنہرے رنگ کا جالی دار دوپٹہ اُس نے سینے پر پھیلا رکھا تھا، جو التفات پاتے ہی مسحور کر دے، اُس کے گوش وزبر میں لباس سے ہم آہنگ آمیزے خوب چمک رہے تھے۔ وہ جب اپنے لباس کے گھیر کو ایک ہاتھ سے سنبھالے دھیمے دھیمے قدموں سے نیچے اتر رہی تھی، تو اُس کے آمیزوں کی لرزش اُس کے جمال

ناول کلب
Clubb of Quality Content

کو مزید نکھار رہی تھی۔ اُس کے سامنے آتی وہ بولی، "چلو اب!" اُس نے اپنے تھیلے کا تسمہ درست کیا اور شجاع کے تاثرات دیکھ کر اپنی ابرو اچکائی۔ وہ جو نہ جانے کس خیال میں محو تھا، بولا، "آج پیاری لگ رہی ہو۔" شجاع نے سراہنے والے انداز میں سر ہلایا، اُس کی یہ تیاری واقعی اِس پندرہ منٹ کے انتظار کا حق ادا کر چکی تھی۔

اُس کے اِس انداز پر وہ ہنستے ہوئے بولی، "آج فیروز نہیں ہے تو تم بس موقع ہاتھ سے نہ جانے دو۔" اُس کے کہنے کی دیر تھی کہ وہ بھی قہقہہ لگا کر ہنس دیا، پھر دونوں باہر کی جانب بڑھ گئے۔

جیپ کا دروازہ کھول کر وہ دونوں اپنی اپنی نشستوں پر براجمان ہوئے اور گاڑی ایک جھٹکے سے ڈیوڑھی سے باہر نکل گئی۔ منصوبے کے مطابق ان دونوں نے میرب کو ساتھ لے کر فیروز کے گھر جانا تھا، جہاں اُس نے سارا انتظام کر رکھا تھا۔ سفر کی خوشی ان کے چہروں سے عیاں تھی۔ اُس کے والدین کام کے سلسلے میں دبئی گئے ہوئے تھے، اِسی لیے آج ان کے پاس وہاں کامل خود مختاری تھی۔ وہ سب اِس بات سے بالکل بے خبر تھے کہ یہ 'خود مختاری' اور یہ مسحور کن شام اُنہیں زندگی کے ایک ایسے موڑ پر لے جا رہی ہے جہاں تقدیر اپنا آخری پتا کھیلنے کے لیے بالکل تیار کھڑی تھی۔

Clubb of Quality Content!

*****

گاڑی کی رفتار دھیمی ہوئی اور وہ میرب کے رائشی قطعے کے باوقار گوشے کے سامنے آکر رک گئی۔ رہائشی عمارت کے سامنے جیپ روکتا وہ بولا، "کال کرواسے، پہلے ہی دیر ہوگئی ہے۔" شجاع نے سٹیرنگ پر ہاتھ مارتے ہوئے سامنے بنے اونچے عمارت کے حصے کی طرف دیکھا جہاں اب شام کا اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔

امائرہ نے ہڑبڑا کر اپنے دونوں ہاتھ لباس کی جیبوں میں ڈالے، لیکن اُسے خالی پا کر اُس کے چہرے پر جھنجھلاہٹ ابھری۔ "اوہو! میں تو اپنا فون گھر ہی بھول آئی،" امائرہ نے ماتھا پیٹتے ہوئے کہا تھا۔ پھر اُسے کوستے ہوئے بولی، "تم نے بھی تو جلدی لگا رکھی تھی نا۔" اُس نے خفگی سے شجاع کو گھورا اور اُس نے اِس بھول چوک کی ساری ذمہ داری شجاع کی ہی تیز رفتاری پر عائد کر دی تھی۔

شجاع نے ایک دلکش مسکراہٹ کے ساتھ اپنا فون جیب سے نکالا۔ "یہ لو اب کرو،" اُس کو فون پکڑاتا وہ اب گاڑی ایک طرف کرنے لگا تھا۔ امائرہ نے فون پکڑا اور میرب کا نمبر ڈائل کرنے لگی، لیکن کافی دیر بیل جانے پر بھی اُس نے کال نہ اٹھائی تھی۔

"چلو بھئی! لگتا ہے یہ میڈم بھی تیار نہیں ہیں۔" اُس نے بیل کی دھیمی آواز سنی تھی جو بغیر کسی جواب کے بند ہو گئی تھی۔ افسوس سے کہتا وہ گاڑی سے اترنے ہی لگا تھا کہ اُس کا فون بجنے لگا، سکرین دیکھتا وہ بولا، "ڈیڈ!" پھر امائرہ کی جانب دیکھتا کہنے لگا، "تم چلو، میں ان سے بات کر کے آتا ہوں، اور گاڑی بھی تو پارک کرنی پڑے گی نا۔" بات مکمل کرتے وہ گاڑی کھڑی کرنے کی جگہ پر نظریں گھمانے لگا، جہاں کچھ ہی فاصلے پر گاڑیاں ترتیب سے کھڑی تھیں۔

امائرہ نے فون شجاع کو واپس تھمایا اور جیپ کا بھاری دروازہ کھول کر نیچے اتر آئی۔ امائرہ جیپ سے اترتی ہوئی لیفٹ کی جانب چلنے لگی۔ اُس کے زنک رنگ کے لباس کا گھیر فرش کو چھو رہا تھا۔ وہ اپنی ہی دھن میں، تیز قدموں سے پیش دالان کو پار کرتی ہوئی برقی زینے کے چمکتے ہوئے بٹن کو دبانے کے لیے بڑھ رہی تھی، اِس سچ سے بالکل بے خبر جو اوپر اُس کا منتظر تھا۔ تقدیر نے پانسہ پلٹ دیا تھا، وقت کی سوئی ایسے اندھے کنویں کی طرف مڑ چکی تھی جہاں سے واپسی ممکن نہیں تھی۔ آج اُس کا یوں پہلے چلے جانا اُس کو زندگی میں کتنا پیچھے کر دے گا، یہ وہ تھوڑی جانتی تھی۔

اگر وہ ایک لمحے کے لیے رک جاتی، اگر وہ شجاع کے ساتھ گاڑی کھڑی کرنے چلی جاتی، تو شاید زندگی کا یہ سب سے ہولناک حادثہ اُس کا استقبال نہ کرتا۔

رہائشی عمارت کی گزرگاہ میں لگی مدہم روشنیاں فضا کے پراسرار پن کو اور بڑھا رہی تھیں۔ وہ دروازے کے سامنے کھڑی ایک بار پھر انگلی سے بٹن دبا رہی تھی، لیکن اندر سے کسی قسم کی آہٹ سنائی نہیں دے رہی تھی۔ پچھلے چار منٹ سے وہ مسلسل بیل بجا رہی تھی، مگر مجال ہے جو میرب جواب ہی دے دیتی۔۔۔اب کی بار دروازے سے اونچی آواز میں بولی، "کتنا تیار ہونا ہے گڑیا؟ اب کھول بھی دو دروازہ۔۔۔ ہم پہلے ہی لیٹ ہو رہے ہیں۔" اُس نے اپنے کان کو دروازے کے لکڑی کے پٹ سے لگایا، اور کچھ سننے کی کوشش کی مگر اندر سکوت تھا۔

اب کی بار بھی کوئی جواب نہ آیا، تو امائرہ پریشان ہوتی ہوئی کہنے لگی، "گڑیا! میں ہوں امائرہ!" لیکن دوسری جانب بدستور خاموشی تھی۔ اُس کے ماتھے پر فکر کی باریک لکیریں ابھر آئیں، اور اُس کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا تھا۔

اب تو واقعی امائرہ کی حسِ ششم خطرے کا بوق بجانے لگی، اِسی پریشانی میں جب اُس نے ہینڈل گھمایا تو وہ کھلا تھا۔ ہینڈل کے نیچے کی طرف جھکتے ہی کواڑ ہولے سے پیچھے ہٹ گئے، وہ کسی بن بلائے طوفان کا استقبال کرنے کے لیے بے چین تھے۔ اُسے بڑی حیرت ہوئی۔۔۔ خیر، وہ آہستہ سے قدم اٹھاتی ہوئی اندر بڑھی اور گزرگاہ سے گزرتے ہوئے کہنے لگی، "گڑیا! کتنی دفعہ کہا ہے

خیال رکھا کرو، اکیلی ہوتی ہو، یوں دروازہ کھلا رکھنا ٹھیک نہیں ہے۔"اُس کی آواز شفّقے کی خالی دیواروں سے ٹکرا کر گونجی، جس نے ماحول کو اور خوفناک بنادیا۔ یہ کہتے ہوئے وہ اپنی قبا سنبھالتی ہوئی نشست گاہ تک آئی، لیکن پورا فلیٹ اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا، اُس نے روشنی کرنی چاہی تھی مگر کچھ بھی کام نہیں آیا تھا۔ کوئی خوفناک غار لگ رہا تھا اِس وقت وہ گھر۔ اندھیرا اتنا گھنا تھا کہ اُسے اپنے ہاتھ کی انگلیاں بھی واضح دکھائی نہیں دے رہی تھیں۔

دہشت کی ایک سرد لہر اُس کی ریڑھ کی ہڈی میں دوڑ گئی۔ اُس نے اپنی پریشانی چھپاتے ہوئے پوچھا، "گڑیا! کہاں ہو؟ اگر کوئی پرینک ہے تو ابھی باہر آجاؤ، مجھے ڈر لگ رہا ہے۔"اُس کی آواز میں اب واضح کپکپاہٹ تھی، وہ اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنے جالی دار دوپٹے کو سینے پر سختی سے بھینچے ہوئے تھی، یہ قبرستان نما سکوت اِسی کے حواس کو شل کرنے لگا۔ اِس لمحے اُسے اپنا فون شدت سے یاد آیا، وہ ہوتا تو اُس کی لائٹ آن کر لیتی۔ اُس کی انگلیاں بے بسی سے مٹھیوں میں بند ہو گئیں، اور اُس نے اپنی گندمی آنکھیں پھاڑ کر اندھیرے میں میرب کے وجود کو تلاش کرنے کی ایک آخری، ناامید کوشش کی تھی جو ناکام گئی تھی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

دہشت کے سائے اب اُس کے حواس پر پوری طرح غالب آ رہے تھے۔ خیر، وہ اُس کے گھر کے چپے چپے سے واقف تھی اور اب دیوار تھامے لاؤنج کے سوئچ بورڈ کے پاس پہنچی اور اُسے دبا کر ساری لائٹس آن کر دیں، وہ دوسرا بٹن خراب تھا شاید۔ اُس نے سوچا تھا جبکہ اِس اچانک روشنی سے اُس کی آنکھیں بھینچ گئیں، اور کچھ دیر بعد جب بینائی بحال ہوئی تو اُس کے پیروں کے نیچے سے زمین نکل گئی۔ ایسی روشنی تو اُسے اپنی زندگی میں کبھی نہیں چاہیے تھی۔ وہاں مچی تباہی چیخ چیخ کر کسی وحشت ناک جتن کی داستان سنا رہی تھی۔ پورے فلیٹ کا حلیہ بکھر چکا تھا، ہر چیز ٹوٹی پڑی تھی، یہاں تک کہ گیلری کی کھڑکیوں کے شیشے چکنا چور ہو کر فرش پر پھیلے تھے۔ ہر سو بکھرے کانچ کے یہ ٹکڑے روشنیاں پڑنے پر موتیوں کی طرح چمک رہے تھے، یہ چمک دل کو دہلا دینے والی تھی۔ سامنے کی حالت دیکھ کر وہ چیخنا چاہتی تھی، لیکن آواز تھی کہ نکل ہی نہیں رہی تھی، اُسے لگ رہا تھا کہ وہ کسی کھائی میں گری ہے اور خود کو سن نہیں پا رہی۔ خوف کی ماری اُس کی گندمی آنکھیں پھٹ سی گئیں، اور حلق کا مقتل خشک ہو چکا تھا۔ اُسے جگہ جگہ ماربل لال دکھیں، لال ماربل، خون رنگ کے لال، خون سے لال۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

اُس کا دم گھٹ رہا تھا اور جسم برف کی مانند جمنے لگا تھا۔ اپنا سانس بحال کرتی ہوئی، اُس نے اپنا دوپٹہ اتار کر خود کو اِس جکڑن سے آزاد کیا، اور دونوں ہاتھوں سے سر پکڑے، لمبے لمبے سانس لینے کے بعد رندھی ہوئی آواز میں پکارنے لگی، "گڑیا! گڑیا۔۔" ہر بار پچھلی بار سے تیز چیختی، مگر وہاں کوئی ہوتا تو جواب آتا نا۔ اُس کے خوبصورت جھمکے اُس کی کپکپاتی گردن کے ساتھ بری طرح لرز رہے تھے، زنک فراک کا گھیر فرش پر بکھرے کانچ کے ٹکڑوں کو چھو رہا تھا، اُسے اِس وقت اپنے ہوش نہیں تھے، وہ بس اکیلی اِس بربادی کے مقتل میں اپنی روح، اپنی بہن، میرب کو پکار رہی تھی جس کا دور دور تک کوئی سراغ نہیں تھا۔

دہشت کی ماری وہ نڈھال ہو کر وہیں کانچ کے ٹکڑوں پر ڈھیر ہو گئی تھی۔ اگلے کچھ لمحات وہ دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھی رہی، پھر جیسے ذہن میں جھماکا سا ہوا، "لینڈ لائن! شجاع کو کال کرتی ہوں۔" یہ سوچتے ہی وہ اٹھنے لگی، مگر بدن تھا کہ اتنا بھاری معلوم ہو رہا تھا کہ اُسے اپنی دونوں ہتھیلیاں دیوار سے لگائے ہوئے اٹھنا پڑا۔ اِس طرح کا اندھیرا اور یہ وحشت ہر بار اُسے مفلوج کر دیتی تھی، کسی نامعلوم کونے کا وہ ہراس اُسے چلنے پھرنے کے قابل نہیں چھوڑتا تھا۔ اُس کی ٹانگیں اُس کا بوجھ اٹھانے سے قاصر تھیں، اور اُس کے کپکپاتے ہاتھ مٹی سے لت پت ہو چکے

Clubb of Quality Content

تھے۔اپنی گڑیا کو کچھ ہو جانے کے خوف سے ہی اُسے اپنا وجود لرزتا ہوا محسوس ہو رہا تھا، لیکن وہ ہمت کرتی ہوئی، آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی ہوئی، اوپن کچن کی جانب بڑھنے لگی، جس کے پاس ٹیبل پر پی ٹی سی ایل فون پڑا ہوتا تھا۔اُس کا ایک ایک قدم جیسے منوں بھاری تھا، چند قدم بعد ہی اُسے یوں محسوس ہوا جیسے کوئی اُس کے پیچھے کھڑا ہے۔اُس کا ماتھا پسینے سے شرابور ہوا تھا، مگر جب وہ مڑی تو وہاں کوئی نہیں تھا، بس کھڑکی کا پردہ جو گیلری سے لٹک گیا تھا،اب ہوا سے جھول رہا تھا۔اِس سفید پردے کا ہیبت ناک انداز میں ہلنا اُس کے دل کو دہلا گیا تھا۔

یہ دیکھتے ہوئے اُس نے ایک پل کے لیے راحت کا سانس لیا، لیکن جونہی آگے بڑھی، کسی چیز سے اُس کا پاؤں ٹکرایا اور وہ اوندھے منہ فرش پر گری، مگر شکر کہ اُس کی فراک ساتھ پڑی کرسی میں اٹک گئی تو اُس کی بچت ہو گئی۔ فرش پر بکھرے شیشوں کے باریک ذرے اُس کی ہتھیلیوں میں چبھے تو درد کی ایک لہر اُس کے وجود میں دوڑ گئی۔ "آؤچ!" اپنے پاؤں کو سہلاتی وہ فراک کو نکالنے لگی، پر جیسے ہی اُس کی نظر اِس چیز پر پڑی تو اُسے اپنا سر چکراتا ہوا محسوس ہوا۔ اُس کی آنکھیں حلقوں سے باہر ابلنے کو تیار تھیں، اور سانس حلق میں اٹک کر رہ گئی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

وہ کوئی چیز نہیں، میرب کا وجود تھا جو صوفے کے پیچھے اوندھے منہ بے سدھ پڑی تھی، یہ دیکھتے ہی پہلے تو اُس کے ہاتھ کپکپانے لگے۔ مٹی اور کانچ کے درمیان اُس کا چہرہ زمین کی طرف تھا، اور اُس کے ریشمی بال بکھرے پڑے تھے۔ لیکن پھر ہمت کرتی ہوئی وہ صوفے کی پچھلی طرف آئی، اور پھر ایک دلخراش چیخ اُس کے گلے سے نکلی۔ وہ روح فرسا چیخ فلیٹ کی خالی اور بکھری دیواروں سے ٹکرا کر گونجی۔ اُس نے اپنے دونوں ہاتھ اپنے چہرے پر رکھ لیے، اور اُس کا پورا وجود مٹی پر گر کر بری طرح لرزنے لگا تھا، جہاں پچھتاوے کا مقتل سج چکا تھا، اور اُس کی گڑیا خون میں لت پت اُس کے سامنے پڑی تھی۔

کمرے کی لائٹس اب اِس مقتل کا ہر ہولناک گوشہ آشکار کر رہی تھیں۔ میرب کی گردن کی پچھلی طرف نوکیلا کانچ پھنسا تھا، اور اِس سے مسلسل خون بہہ بہہ کر اب جم سا گیا تھا اور اُس کے بازو ایسے تھے جیسے تار سے لٹک رہے ہوں۔ وہ معصوم وجود مٹی اور شیشوں کے بیچ بے سدھ پڑا تھا، اور اُس کے بدن کے آس پاس پورا فرش خون سے لال دکھائی دے رہا تھا۔ وہ ہولناک سرخ رنگت کائنات کی سب سے بڑی بربادی کا مظہر تھی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

امائرہ کے قدم جیسے زمین میں دھنس کر رہ گئے۔ وہ اُس کے پاؤں کے پاس کھڑی، منہ پر ہاتھ رکھتی اپنے آنسو روک رہی تھی، جواب اُس کے ہونٹوں سے گزرتے نمکین پانی کی مانند اُس کے حلق میں گھل رہے تھے۔ اُس کی آنکھیں وحشت سے پھیل چکی تھیں، اور دانت اِس قدر پیاپے بج رہے تھے جیسے وہ کسی برفیلی چوٹی پر کھڑی ہو، اور دل کی دھڑکن اِس طرح منادی کر رہی تھی کہ اُس کے تنِ خاکی کو نڈھال کر رہی تھی۔ اُس کا پورا وجود تھر تھر کانپ رہا تھا، سانسیں حلق میں آکر اکھڑ رہی تھیں، اور دماغ باؤلا ہو چکا تھا۔

اُسے فرش پر پھیلا خون تو جیسے نظر ہی نہیں آ رہا تھا۔ ہانپتے بدن کے ساتھ وہ اُس کے بے جان وجود کے پاس بیٹھی۔۔۔ اُس کی فراک اب زنک کے بجائے عنابی اور سیاہ رنگت ظاہر کر رہی تھی، اور وہ اِس سے بے پروا تھی۔ اُس کا قیمتی اور خوبصورت لباس اب میرب کے لہو سے داغدار ہو چکا تھا۔

وہ گھٹنوں کے بل فرش پر گرتے ہوئے آگے بڑھی۔ کانپتے ہاتھوں سے اُس کی کمر کو چھوتے ہوئے، وہ اٹکتے اٹکتے بس اتنا کہہ پائی، "گڑ۔۔۔ گڑیا۔۔۔ کیا۔۔۔ ہوا ہے۔۔ با۔۔۔ بت۔۔۔ بتاؤ۔۔۔ مجھے۔" اُس کی آواز حلق کے مقتل میں دم توڑ رہی تھی، اور پپوٹے لختِ جگر کے غم سے

پھٹ رہے تھے۔ پھر اگلے ہی لمحے زمین پر بیٹھتی ہوئی، اُس کے سر کو گود میں رکھتے ہوئے وہ روتے ہوئے بولنے لگی، "گڑیا! ایسا نہیں۔۔۔۔ اٹھو نا پلیز۔"اُس نے میرب کے خون آلود چہرے کو اپنی مٹھیوں میں تھامنے کی کوشش کی، بھرائی ہوئی آواز میں اُس نے کہا اور پھر چہرہ اوپر کیے، دھاڑتے ہوئے بولی، "ایسا نہیں ہو سکتا!"

وہ چیخ اِس قدر ہولناک اور روح فرسا تھی کہ فلیٹ کے در و دیوار لرز اٹھے۔ آنسو اُس کے چہرے سے ٹپک رہے تھے، زبان اُس کی لرز رہی تھی، اور آنکھوں کے سامنے کا منظر بھی دھندلا دکھائی دے رہا تھا، وہ کیا کرتی؟ اُس کا پورا جسم شدید خوف کی زد میں تھا، اور پچھتاوے، خوف اور محبت کی شدت نے اُس کے حواس چھین لیے تھے، وہ اپنی بہن کو اپنے سامنے مٹتا دیکھ کر پاگلوں کی طرح چیخ رہی تھی۔

اُس کی عقل مٹ چکی تھی، اور رونے کی آواز بھی حلق میں گھٹ رہی تھی۔ آخر آپ کی بہن جیسی دوست آپ کے سامنے مری پڑی ہو تو کیسے انسان کو ہوش رہتا ہے؟ وہ پاگلوں کی طرح اپنے بال نوچنے کے قریب تھی کہ اچانک اُسے رہائشی عمارت کے نیچے کھڑی جیپ کا خیال آیا۔

"شجاع! شجاع!۔۔۔"اب کچھ نہ سوجھ آنے پر وہ اُسے زور زور سے آوازیں دینے لگی، اتنی کہ ایک پل کے لیے اُسے اپنے گلے میں سوئیاں چبھتی محسوس ہوئیں۔اُس کا گلا چھل چکا تھا، اور آواز کٹی پھٹی لہروں کی طرح فلیٹ کی دیواروں سے ٹکرا رہی تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ شجاع دیواریں پھلانگتا ہوا آئے اور اُسے اِس جہنم سے نکال لے، اگلے ہی لمحے اُس کی آواز، اُس کا آنسو، اُس کا بدن سب برف کی مانند جم سے گئے، اُسے اپنا جسم ٹھنڈا پڑتا محسوس ہوا، اور گلے میں گلٹی بنتی معلوم ہوئی، کسی نے پیچھے سے اُس کی گردن پر پسٹل تانی تھی۔اِس سرد لوہے کا لمس اُس کے جڑتے ہوئے پپوٹوں اور ریڑھ کی ہڈی میں ایک خوفناک لہر دوڑا گیا کہ اُس کے ماتھے پر ابھرا ہوا پسینہ سیکنڈوں میں جم گیا۔اُس کا دل جیسے سینے میں دھڑکنا بھول گیا اور پورے وجود کا لہو سست پڑ گیا۔

وہ ساکت کھڑی، میرب کی لاش کو گود میں لیے، خوف کی آخری حد کو چھوتے ہوئے بامشکل کہہ پائی، "ک۔۔۔کون۔۔۔کون۔۔۔کون ہے؟"اُس کی لرزتی ہوئی وہ آواز اور اٹکتے ہوئے الفاظ اُس کے اندر کے خوف کا پتا دے رہے تھے۔

Clubb of Quality Content

جواب ندارد تھا! بس اندھیرے کمرے میں ٹریگر پر انگلی کی مضبوطی بڑھی، اور ایک خوفناک خاموشی نے امائرہ کے وجود کو گھیرے میں لے لیا تھا۔ موت اب ایک انچ کے فاصلے پر کھڑی مسکرا رہی تھی، ان چمکتی ہوئی لائٹس کے نیچے، جہاں میرب کا خون فرش کو لال کر رہا تھا، امائرہ کو اپنی زندگی اندھیری ہوتی محسوس ہوئی۔ جہاں کوئی معجزہ دور دور تک دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

*****

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

جاری ہے۔۔

مزید بہترین ناول/افسانے/آرٹیکل/مختصر کہانیاں اور معیاری شاعری پڑھنے کے لئے

نیچے دیئے گئے لنک پر کلک کریں۔

شکریہ!

www.novelsclubb.com

ہماری ایپ ڈاؤنلوڈ کریں اور رسائی حاصل کریں بے شمار مزے دار ناولوں تک

Download our app

بہترین کوالٹی کی کتب شائع کروانے کے لئے اس نمبر پر رابطہ کریں۔

03257121842

اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ اپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں، مگر آپ کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔۔تو ہم سے رابطہ کریں۔

ہماری ٹیم آپ کو قدم قدم پر رہنمائی فراہم کرے گی اور آپ کی لکھی ہوئی تحریر دنیا تک لائے گی۔

آپ اپنا لکھا ہوا ناول، افسانہ، شاعری، ناولٹ، کالم یا آرٹیکل پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو اپنا مسودہ ہمیں ورڈ فائل یا ٹیکسٹ فارم میں میل کریں

novelsclubb@gmail.com

آپ ہمارے فیس بک، انسٹا پیج اور واٹس ایپ کے ذریعے بھی ہم سے رابطہ کر سکتے ہیں۔

FB PAGE:

NOVELSCLUBB

INSTA:

NOVELSCLUBB

WHATSAPP:

03257121842